شمارہ-91، محرّم-صفر1448ھ، جولائی-اگست2026ء

نصرة

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم

11 مئی: نوید بٹ کے اغوا کی برسی

موجودہ دور کے مسلمان حکمرانوں سے نصرۃ طلب کرنا

بجٹ2026-27

امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کرو

نصرہ میگزین ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کا شائع کردہ میگزین۔

فہرست

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم 3

سیاسی فہم کے لازمی اصول اور پالیسی سازی (حصہ دوئم) 21

وجود باری تعالیٰ کے اثبات کے دلائل سے واقفیت 29

11 مئی: نوید بٹ کے اغوا کی برسی 53

سوال و جواب: دور کے مسلمان حکمرانوں سے نصرة (عسکری مدد) طلب کرنا 57

امریکہ اور چین: کیا عالمی نظام کی ایک نئی تشکیل ہونے کو ہے؟! 64

گریٹر مڈل ایسٹ کے اندر امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کرو، جو مسلمانوں کے گھر میں ایک سانپ کی مانند ہے! ... 78

خلافت کا قیام مسلم دنیا کو تیل کی بین الاقوامی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے منفی اثرات سے آزاد کر دے گا 91

قابض یہودی وجود کی جیلوں کے جہنم میں سسکتے اور دم توڑتے فلسطینی بچے 94

یورپ مسلمانوں کے تیل اور گیس کے بغیر چند دن گزارنے سے خوفزدہ ہے 98

سوال و جواب: امریکہ – ایران کی جنگ اور ایران کی موجودہ پوزیشن 100

بجٹ 27-2026 112

سوال سوال کا جواب: اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران روس پر یوکرین کے حملے 115

عوام کو کچل کر "ہارڈ اسٹیٹ" اپروچ سے اپنی دھونس جمانا زوال زدہ نظام کی نشاندہی کرتا ہے 122

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم

خالد ابراھیم العمراوی

ا۔ جہاد کا لغوی معنی:

"الجهاد" کا رباعی فعل مصدر جَاهَدَ ہے، یہ "فِعال" کے وزن پر "مفاعلة" کے معنی میں ہے یعنی دونوں اطراف کا اجتماعی فعل، جیسا کہ الخصام (باہمی تصادم) بمعنی المخاصمة (باہمی تصادم) کے ہیں اور اس کا مصدر "خاصم" ہے، اور جیسے الجدال (باہمی جھگڑا) کا معنی المجادلة (باہمی جھگڑا) ہے اور اس کا مصدر "جادل" ہے۔

اس کلمہ کا ثلاثی فعل مصدر "جَهِد" (پوری کوشش لگا دینا) ہے۔ القاموس المحيط کے مصنف ثلاثی مصدر اور اس کا معنی لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ: الجَهد: الطاقة، ويُضَمُّ، والمشقة "الجَهد طاقت کے معنی میں ہے، ضمہ (پیش) کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے"۔ لسان العرب میں آیا ہے کہ: الجَهد «بالفتح» المشقة، والجُهد «بالضمّ» الطاقة، وفيه: الجهاد: استِفرَاغُ ما في الوسع والطاقة من قول أو فعل "کہا گیا ہے کہ "الجهد فتح (زبر) کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے، الجُهد ضمہ کے ساتھ طاقت کے معنی میں ہے، اور اسی میں لکھا ہے کہ: الجهاد: قول یا فعل کے ذریعے اپنی پوری وسعت اور طاقت استعمال کرنا"۔

المنجد کتاب کے مصنف کہتے ہیں کہ: جاهَدَ مُجَاهدةً وجهاداً: بذل وُسعَه، والأصل: بذل كل منهما جهده في دَفعِ صاحبه "جاهَدَ مُجَاهدةً وجهاداً کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا، اصل یہ ہے کہ: دونوں (لڑنے والوں) کا ایک دوسرے کو ہٹانے کی مقدور بھر کوشش"۔ قسطلانی نے صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ: الجهادُ بكسر الجيم، مصدر جاهدت العدوَّ مجاهدةً، وجهاداً، وأصله: جيهاداً، كقيتالاً، فخُفِّف بحذف الياء، وهو مشتق من الجَهد، بفتح الجيم، وهو التعب، والمشقة، لما فيه من ارتكابها، أو من الجُهد بالضم، "الجهاد جیم کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے، جس کا معنی دشمن سے لڑنا ہے، اور اس کی اصل جيهاد جس میں حرف ی شامل ہے جیسا کہ قيتال، پھر 'ی' کو حذف کر کے تخفیف کی گئی، یہ مشتق ہے الجَهد سے جیم کے فتح کے ساتھ، جس کا معنی تھکاوٹ اور مشقت ہے، اس کیلئے جو اس کا عزم کرتا ہے، یا یہ الجُهد سے ہے جیم کے ضمہ کے ساتھ، جس کا معنی طاقت ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو پیچھے ہٹانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے"۔ نسیاپوری کی تفسیر میں ہے کہ: والصحيح

أنَّ الجهاد: بذل المجهود في حصول المقصود "درست یہ ہے کہ جہاد مقصود کے حصول کے لیے پوری کوشش کا نام ہے"۔

لفظ "جہاد" کے لغوی معنی کے بارے میں ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ہم جہاد کی لغوی تعریف کر سکتے ہیں جو کہ لفظ "جہاد" کی لغوی حقیقت ہو گی"اس لیے ہم کہتے ہیں کہ: الجهاد: هو استفراغ الوسع في المُدَافَعَةِ بين طرفين ولو تقديراً "جہاد: دونوں طرف سے مدافعت کی پوری کوشش کرنا ہے، چاہے وہ پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو"۔ پوشیدہ سے ہماری مراد ہے: انسان کا اپنے نفس کے خلاف جہاد ہے، جس میں پوشیدہ بات یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر دو مخالف قوتیں رکھتا ہے جو آپس میں نبرد آزما ہیں، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبے کی کوشش کرتی ہے۔ اس تعریف میں ہم نے عربی لغات 'لسان العرب' اور 'قسطلانی کی شرح' میں جو کچھ ہے اس کو یکجا کیا اور مزید وضاحت کے لیے اس میں "چاہے پوشیدہ ہو" کا اضافہ کر دیا۔

اس لغوی تعریف کی بنیاد پر: پوری کوشش کرنا کبھی ایک مادی فعل ہو گا چاہے اسلحہ کے ساتھ ہو یا بغیر اسلحہ کے یا پھر مال دے کر یا بغیر مال کے، یا پھر یہ کوشش کرنا الفاظ کے ذریعے ہو گا۔ کبھی قول سے کبھی کسی فعل سے ہو گا جیسا کہ کوئی اس وقت اپنے والدین کی اطاعت سے باز رہتا ہے جب وہ اس کو معصیت کا حکم دیتے ہیں، ان کی جانب سے اس پر اصرار کے باوجود وہ صبر کرتا ہے، جیسے کوئی اپنے نفس کی حرام خواہش کو پورا کرنے سے باز رہتا ہے جبکہ اس کا نفس اس کام کو کرنے کے لیے اس سے لڑتا ہے۔ اسی حوالے سے تفسیر حاشیہ جمل علی الجلالین میں آیا ہے کہ: الجهادُ: هو الصبر على الشِّدة، وقد يكون في الحرب، وقد يكون في النفس "جہاد سختی پر صبر کرنا ہے یہ کبھی جنگ میں ہوتا ہے کبھی نفس میں"۔

اس لغوی تعریف کی بھی بنیاد پر ہی یہ بات بھی ہے کہ: قد يكون الطَرَفُ الآخر الذي يجاهده المسلم هو النفس، أو الشيطان، أو الفساق، أو الكفار "ایک مسلمان جو پوری کوشش کرتا ہے تو وہ کبھی اپنے نفس کے خلاف ہوتی ہے تو کبھی شیطان کے خلاف، کبھی کسی گناہ گار شخص کے خلاف تو کبھی کسی کافر کے خلاف"۔

اسی لغوی معنی کے لحاظ سے ہی جہاد کبھی اللہ کی راہ میں ہو گا جیسا کہ اللہ کی رضا کے لیے مسلمان کا جہاد، اور کبھی جہاد شیطان کی راہ میں ہو گا جیسا کہ کسی کافر کا دوسروں کے خلاف جہاد، کیونکہ جہاد، جیسا کہ نسیا پوری کہتے ہیں، مقصود کے حصول کی پوری کوشش ہے، اور یہ اس بات سے قطع نظر ہے کہ پوری کوشش کرنے والے کے پیش نظر مقصد کیا ہے۔

قرآن نے "جہاد" کو فعل کے طور پر استعمال کیا کہ وہ کافر والدین کی جانب سے مومن اولاد کو ایمان سے پھیرنے کے لیے سرگرمی کے لیے استعمال کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ ...﴾ "اگر وہ تم سے اس بات پر لڑیں کہ تم اس کو میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو ان دونوں کی اطاعت مت کرو، میرے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر آنا ہے" (سورۃ العنکبوت: 8) ، اور فرمایا: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا...﴾ "اگر وہ تم سے لڑیں کہ میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ تو ان کی اطاعت مت کرنا اور دنیا میں ان سے بھلائی کا معاملہ کرو" (سورۃ لقمان: 15)۔

ب۔ جہاد کا شرعی مفہوم:

لفظ "جہاد" کو شریعت نے کتاب و سنت میں اس کے عام لغوی معنی سے، جس کا پہلے ذکر ہو چکا، منتقل کیا ہے اور اس کو مخصوص معنی تک محدود کر دیا ہے جو یہ ہے: بَذلُ الوُسع في القتال في سبيل الله، مباشَرَةً، أو مُعَاونَةً بمالٍ، أو رأيٍ، أو تكثير سواد، أو غير ذلك "اللہ کی راہ میں قتال میں براہ راست یا مالی معاونت یا رائے یا افرادی قوت میں اضافے یا اس کے علاوہ کسی اور طرح پوری کوشش کرنا۔۔۔"۔ یہ واضح ہے کہ جہاد کا یہ خاص معنی صرف "مدینہ" میں تھا، جہاں تک "مکہ" کی بات ہے وہاں جہاد کی یہ وضاحت نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے مکی آیات میں "جہاد" کا لفظ اس کے عام لغوی معنی پر ہی دلالت کرتا ہے۔ یہ سورۃ عنکبوت میں تین آیات ہیں: ﴿وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ...﴾ "جو جہاد (کوشش) کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے۔۔۔" (سورۃ عنکبوت: 6)۔ ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا..﴾ "اور اگر وہ یہ جہاد (کوشش) کریں کہ تم میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کرنا۔۔۔" (سورۃ لقمان: 15)۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...﴾ "اور جو لوگ ہماری راہ پر چلنے کے لیے جہاد (کوشش) کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے۔۔۔" (سورۃ عنکبوت: 69)۔

اسی طرح مکی سورت لقمان میں ایک آیت ہے جو کہ یہ ہے: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ...﴾ "اور اگر وہ اس بات کے لیے جہاد (کوشش) کریں کہ تم میرے ساتھ وہ چیز شریک ٹھہراو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کرو۔۔۔" (سورۃ لقمان: 15)۔ رہی بات مکی سورت النحل میں جہاد کی آیت کی تو یہ ہجرت کے ضمن میں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت مدنی ہے جو مکی سورت میں ہے۔ مفسرین نے اس کے بارے میں یہی کہا ہے، وہ آیت یہ ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ "پھر تمہارا رب ان لوگوں پر جنہوں نے آزمائش میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، جہاد کیا اور صبر کیا، بیشک تیرا رب ان کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے" (سورۃ النحل 16:110)۔

لفظ "جہاد" مدنی آیات میں 26 بار آیا ہے جن میں سے بیشتر واضح طور پر قتال کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، ان میں سے ایک سورۃ نساء کی آیت ہے ﴿لَا يَسۡتَوِى الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ غَيۡرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ دَرَجَةً‌ ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى‌ ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۙ﴾ "اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے مومن برابر نہیں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اللہ تعالی نے درجوں میں فضیلت دے رکھی ہے یوں تو اللہ تعالی نے ہر ایک کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا وعدہ کیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے" (سورۃ نساء :95)۔ اس آیت میں واضح ہے کہ "جہاد" قتال کے لیے نکلنے کے معنی میں ہے، نکلے بغیر بیٹھنے رہنے والوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے، ان میں سے ایک آیت سورۃ توبہ میں یہ ہے: ﴿اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ "نکلو ہلکے اور بوجھل ہونے کی حالت میں اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہوتے" (سورۃ توبہ :41)۔ اس میں نکلنے کے حکم کے بعد جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی جہاد قتال ہی ہے، ایک آیت یہ ہے: ﴿وَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ﴾ "جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے استطاعت والے تم سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں رہنے دیں ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہوں گے وہ اس بات پر راضی ہوئے کہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہوں" (سورۃ توبہ :86)۔ ایک آیت یہ ہے: ﴿لٰـكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جَاهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ‌ ؕ وَاُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡـرٰتُ‌ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ "لیکن رسول ﷺ اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (سورۃ توبہ :88)۔ ان میں سے وہ بھی ہے جو سورۃ صف کی ابتدا میں قتال کے ذکر کے بعد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ﴾ "اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو صف بستہ ہو کر اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں" (سورۃ صف :4)۔ اس کے بعد آیت (10) اور (11) ہیں جو "جہاد" کے نام سے اس قتال کی ترغیب دیتی ہیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ (10) تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ

وَاَنۡفُسِكُمۡ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَۙ(11)﴾ "اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی(10) وہ یہ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہوتے(11)" (سورۃ صف: 11-10)۔

یہ تو مدنی آیات میں "جہاد" کے لفظ کے بارے میں تھا، ان میں ہم بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ خاص طور پر قتال پر دلالت کرتی ہیں۔ ساتھ ہی قتال کے طبعی لوازمات پر جیسے مال خرچ کرنے پر جو کہ قتال کے آلات خریدنے یا اس کی طرف جانے کے لیے ضروری ہیں، اس پر اس کی مشروعیت کی شرط کو پیش کرنا جو کہ کفار تک دعوت کو پہنچانا ہے؛ کیونکہ جیسا کہ المغنی المحتاج میں آیا ہے، کہ کفار تک دعوت پہنچانا قتال کی شرط ہے۔

اس کے ساتھ سنتِ نبوی ﷺ میں بھی لفظ "جہاد" اس شرعی معنی میں آیا ہے، جو کہ قتال اور اس کے متعلقات ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں ایسا عمل بتائیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے برابر ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تطيقونه "تم لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے"**، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: ہمیں بتادیجئے شاید ہم وہ کر سکیں، فرمایا: **مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ المجاهد "اللہ کی راہ میں مجاہد کی مثال اس روزہ دار کی طرح ہے جو قیام کرتا ہے، اللہ کی آیات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے، کبھی روزہ افطار نہیں کرتا ہے اور صدقہ دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجاہد اپنے گھر واپس آجاتا ہے"**۔ حدیث کے سیاق سے یہ واضح ہے کہ سوال مجاہد کے بارے میں تھا۔ خاص طور پر اللہ کی راہ میں قتال کرنے کے معنی میں۔ جواب بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ "یہاں تک کہ مجاہد اپنے گھر واپس آئے"** یعنی قتال سے واپس آئے۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: کون سا جہاد زیادہ افضل ہے؟ فرمایا: **من عُقِرَ جَوادُه وأُهرِق دَمُه! "جس کا گھوڑا مارا جائے، اور جس کا خون بہایا جائے!"**۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللَّهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ قَالُوا : مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ لِئَلاَّ يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلاَ يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ : أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ . قَالَ : فَأَنْزَلَ اللَّهُ { وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا } " . إِلَى آخِرِ الآيَةِ** "جب احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے اللہ تعالی نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اندر ڈال دیا جو جنت کی نہروں پر آتے ہیں اور اس کے پھل کھاتے ہیں، جہاں چاہتے جنت میں پھرتے ہیں جب انہوں نے اپنے بہترین استقبال اور طعام و شراب کو دیکھا تو کہا: کاش ہماری قوم کو معلوم ہو جائے

کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا کیا تو وہ بھی جہاد کی طرف راغب ہوتے اور اس سے پیچھے نہ ہٹتے اللہ تعالی نے فرمایا: میں تمہارے بارے میں ان کو خبر دوں گا، تمہارے بھائیوں تک بات پہنچاؤں گا اس پر وہ خوش اور شادماں ہوئے، اسی کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: **(وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ...) "اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ مت سمجھو"** سے آیت کے آخر تک"۔

اس طرح ان شرعی نصوص اور ان جیسے بہت سارے نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "شریعت" نے لفظ "جہاد" کو عام لغوی معنی سے خاص معنی کی طرف منتقل کیا، وہ ہے اللہ کی راہ میں قتال اور اس کے لوازمات، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اس پر مستزاد وہ کلمات جو جہاد کے معنی کے فلک میں گردش کرتے ہیں جیسے حرب (جنگ)، غزوہ (لڑائی)، قتال وغیرہ، اسی وجہ سے شرعی مصادر نے پہ در پے جہاد کی تعریف اللہ کی راہ میں قتال سے کی، یہاں فقہ کی کتابوں سے کچھ نقل کیا جاتا ہے جو جہاد کے شرعی معنی اور اس سے متعلق احکامات کی وضاحت کرتے ہیں۔

۔ حنفی مذہب کی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں یوں بیان کیا گیا ہے: أما الجهاد في اللغة فعبارة عن بَذل الجهد وفي عرف الشرع يستعمل في بَذل الوُسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عز وجل بالنفس والمال واللسان أو غير ذلك "جہاد لغت میں پوری کوشش کرنے سے عبارت ہے۔ شرعی معنی میں: اللہ عزوجل کی راہ میں قتال میں جان مال اور زبان وغیرہ کے ذریعے پوری کوشش اور پوری طاقت استعمال کرنا ہے"۔

۔ مالکی فقہ کی کتاب منح الجلیل میں یان کیا گیا ہے: الجهاد: أي، قتال مسلم كافراً غير ذي عهدٍ، لإعلاء كلمة الله تعالى أو حُضورُه له [أي: للقتال] أو دُخُوله أرضه [أي أرض الكافر] له [أي: للقتال] قاله ابن عرفة "جہاد: یعنی مسلمان کا اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ایسے کافر کے خلاف قتال کرنا جو عہد والا نہ ہو یا حاضر (موجود) ہونا (یعنی قتال کے لیے) یا اس کے لیے (قتال کے لیے) زمین میں داخل ہونا (یعنی کافر کی زمین میں) ابن عرفہ نے یہی کہا ہے"۔

۔ شوافع کی فقہہ کی کتاب الإقناع میں ہے: أي: القتال في سبيل الله "یعنی: اللہ کی راہ میں قتال" اور شیرازی نے اپنی کتاب "المھذب" میں بیان کیا گیا ہے کہ: أن الجهاد هو القتال "جہاد قتال ہی ہے"۔

۔ حنبلی فقہ کی کتاب "المغنی" میں، ابن قدامہ نے (باب الجہاد) میں حرب اور کفار کے خلاف قتال کے علاوہ کسی اور معنی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی چاہے یہ فرض کفایہ ہو یا فرض عین یا دشمن سے مومنوں کی حفاظت کی صورت میں ہو یا سرحدوں اور

محاذوں پر پہرا دینے کی صورت میں ہو، ان کا قول ہے: الرباط أصل الجهاد وفرعه "پہرا دینا جہاد کا اصل اور حصہ ہے"، اور ان کا یہ قول: إذا جاء العدو صار الجهاد عليهم فَرض عين... فإذا ثبت هذا فإنهم لا يخرجون إلا بإذن الأمير لأن أمر الحرب موكول إليه "جب دشمن آئے تو جہاد ان پر فرض عین بن جائے گا۔۔۔ جب یہ ثابت ہو جائے تو وہ امیر کی اجازت کے بغیر نہیں نکلیں گے کیونکہ جنگ کا معاملہ اس کے حوالے ہے"۔

یوں لفظ "جہاد" اس کے لغوی معنی سے شرعی معنی کی طرف منتقل ہو گیا، یہاں تک کہ یہ لفظ ایسا ہو گیا کہ اس لفظ کو بولتے ہی اس کا معنی قتال سمجھا جاتا ہے۔

امت کی اس شکست خوردہ حالت پر ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک جہاد کے اس لفظ کا مفہوم بہت بگڑ گیا ہے۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ اس کے بارے میں تبادلہ خیال بھی نہیں کرنا چاہتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس مفہوم پر غلط اور جھوٹے معنوں کو چسپاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ یہ اسی طرح صاف اور شفاف باقی نہ رہے جیسا کہ یہ شرعی نصوص میں آیا ہے اور جیسا کہ متعدد علماء نے اس کی تشریح کی ہے؛ بلکہ امت کی فکری اور مادی کمزوری نے اس کے شرعی معنی میں عجیب و غریب تفاسیر داخل کرنے کا راستہ فراہم کیا جس کی وجہ سے لوگ تقسیم ہو گئے اور افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ ان میں سے کچھ کی سوچ اس قدر گر گئی کہ انہوں نے جہاد کو صرف جان اور شناخت کا دفاع قرار دیا، یعنی یہ صرف دفاعی جنگ رہ گئی، اقدامی نہیں۔ ان میں سے کچھ کہنے لگے کہ جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ اور خواہشات کے خلاف مزاحمت ہے، یہ ان کے نزدیک جہاد اکبر ہے جس کو جہاد اصغر پر فضیلت دی جاتی ہے جو کہ قتال ہے۔ ایک فریق انتہا پسندی اور تشدد کی راہ پر چل نکلا اور لوگوں کے درمیان ہونے والے قتال کی تمام اقسام کو اس شرعی جہاد کا روپ دیا جس کا ذکر کتاب و سنت میں ہے۔

جہاد کی جو نمایاں زمینی حقیقت اور مفہوم امت کے ذہن میں پیوست تھا، جس میں وہ اس عملی طریقے کو دیکھتی تھی جس کے مطابق اسلامی فکر امر واقعہ کی صورت میں وجود میں آتا ہے، موجودہ نسل کے ذہن میں وہ مشکوک اور غیر اہم فکر میں تبدیل ہو گئی۔ بہت کم لوگ ہیں جو اس حوالے تبادلہ خیال بھی کرتے ہوں، ان کے ذہنوں پر جمود اور ناامیدی چھائی ہوئی ہے اور دلوں پر دشمن کا خوف سوار ہے۔ اس لیے ان کے اندر دین کی حمیت اور کفار سے بغض مر گیا ہے، اس کی جگہ جاہلیت کی حمیت، اور نسلی تعصب و طنیت نے لے لی ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہی بغض رکھنے لگے ہیں!

چونکہ یہ غلط فہمیاں مسلمانوں میں عام ہو چکی ہیں اور جہاد کی وہ صاف شفاف اور ممتاز فکر اکثریت کے ذہنوں سے او جھل ہوگئی ان کے اندر یہ جذبہ مر گیا ہے اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ اس مختصر فکری بحث کو اپنے نوجوانوں کے سامنے پیش کروں، جس کا مقصد شبہات کا ازالہ، الزامات کی تردید اور ہمتوں کو مہمیز دینا ہے۔

تاہم جہاد کی فکر کو پیش کرتے ہوئے قتال کے مختلف حالات کو بیان کرتے ہوئے، ہر ایک کو اس کی مخصوص جگہ رکھتے ہوئے؛ اختصار پر اعتماد کرنے کو اختیار کیا۔ جیسا کہ ذکر کیا کہ مقصد سننے والوں یا پڑھنے والوں کی مشقت کو طول دینا نہیں، نہ ہی فقہ و علم و فکر کی کتب میں جو کچھ آیا ہے اس میں وقت صرف کرنا ہے۔ صحیح اور غلط کیا ہے اس کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیں مضبوط شواہد اور تفصیلی وضاحتوں میں سے جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس کا حوالہ دینا چاہیے، جن میں کوئی شک یا ابہام نہ ہو۔

سب سے پہلے ہم اس مسئلے کے بارے میں بات کریں گے جو آج کل لوگوں کے درمیان زبان زدعام ہے۔

آج کل لوگوں کی اکثریت جہاد کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے:

ایک قسم جس کا تعلق جہاد اکبر سے ہے جو کہ نفس، خواہشات اور شیطان وغیرہ کے خلاف مجاہدہ ہے۔

دوسری قسم جس کا تعلق جہاد اصغر سے ہے، جو کہ کفار کے خلاف مجاہدہ اور ان کے خلاف قتال ہے۔

اس کے لیے وہ کئی دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ**﴾ "**اے ایمان والوں جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں**"(سورۃ توبہ :123)۔ اسی طرح اس ارشاد سے: ﴿**وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا**﴾ "**اور اس قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کرو**" (سورۃ الفرقان :52)۔ اور اس فرمان سے: ﴿**وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**﴾ "**جو لوگ ہماری راہ پر چلنے کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی راہ دکھا دیں گے**"(سورۃ العنکبوت :69) ۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عدنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر " **ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں**"۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: **جهاد النفس** "**نفس کے خلاف جہاد**"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: **قدمْتُم خيرَ مقدَمٍ وقدمْتُم من الجهادِ الأصغرِ إلى الجهادِ الأكبرِ مجاهدةُ العبدِ هواه** "**تم بہترین طریقے سے آئے ہو اور تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو جو کہ بندے کا اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ ہے**"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ یہاں جہاد کا مطلب نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا ہے اور نفس کے علاوہ بھی، جیسے شیطان اور فساد یوں سے جہاد کرنا۔ بہر حال ایسا جہاد نہ تو کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہے اور نہ اللہ عزوجل کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے بڑھ کر ہے، نہ کوئی اس کو کالعدم کر سکتا ہے نہ اس کو ساقط، بلکہ کفار کے خلاف جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ جیسا کہ نفس کے خلاف مجاہدہ بھی قیامت تک جاری رہے گا۔

مگر یہ سمجھنا لازمی ہے کہ نفس کے خلاف مجاہدہ کے دلائل کفار کے خلاف جہاد کے دلائل سے الگ ہیں، ان میں سے ہر ایک کی حالت بھی دوسرے سے مختلف ہے، نفس کے خلاف مجاہدہ کفار کے خلاف جہاد سے الگ چیز ہے ان دونوں میں اختلاط جائز نہیں، یا ایک سے دوسرے کے لیے استدلال کریں یا ایک کو دوسرے سے تبدیل کریں، ہر ایک اپنی اپنی جگہ ناگزیر ہے، ہر ایک اپنی جگہ فرض ہے۔

اس بنا پر یہ کہنا کہ نفس کے خلاف مجاہدہ اللہ کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے افضل اور بڑا ہے، بالکل غلط ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کے مفہوم کے مخالف خطرناک قول ہے، یہ جہاد کو کالعدم قرار دینا ہے، یہ کئی وجوہات کی بنا پر مردود ہے:

پہلی وجہ: جہاد کے دو معانی ہیں ایک لغوی معنی اور دوسرا شرعی معنی، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ نفس کے خلاف مجاہدہ شرعی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ہے۔

دوسری وجہ: وہ دلائل جن سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ نفس کے خلاف مجاہدہ کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہے وہ اس مسئلے کے دلائل بننے کے قابل ہی نہیں، یہ خود ان دلائل کی حقیقت کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ جس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ ان کے دعوے کی دلیل ہونے کے قابل ہی نہیں کہ جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ کے سوا کچھ نہیں یا یہ کہ یہ اللہ کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے افضل یا بڑا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی: یہ حدیث روایت کے لحاظ سے رد ہے۔(مردود رواية)،

دوسری: یہ حدیث معنی کے لحاظ سے رد ہے۔(مردود دراية)

جہاں تک اس حدیث کا روایت کے لحاظ سے رد (مردود رواية) ہونے کی وجہ ہے تو وہ اس لیے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔

جبکہ اس حدیث کا معنی کے لحاظ سے رد (مردود دراية) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کو فرض اور سب سے عظیم عمل قرار دینے والے قطعی نصوص سے متصادم ہے۔ یہ نصوص تین قسم کے ہیں:

پہلی قسم: وہ آیات جو اللہ کی راہ میں جہاد کے فضائل کی بات کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ یہی سب سے افضل عمل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿لَا يَسۡتَوِى الۡقَاعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ غَيۡرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ دَرَجَةً‌ ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى‌ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۙ‏﴾ **"مومنوں میں سے بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں، اللہ نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضلیت دی ہے"** (سورۃ النساء: 95)۔ اور اللہ کا یہ فرمان: ﴿اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ‌ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ‏﴾ **"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، اللہ کے نزدیک ان کا درجہ بڑا ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں"** (سورۃ توبہ: 20)۔

دوسری قسم: وہ آیات جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدح سرائی کرتی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَـنَّةَ‌ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَ يُقۡتَلُوۡنَ﴾ **"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں"** (سورۃ توبہ: 111)۔ اور یہ ارشاد: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ﴾ **"بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر منہ نہیں موڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں"** (سورۃ حجرات: 15)۔

تیسری قسم: وہ آیات جو جہاد سے پیچھے رہنے والے، جہاد ترک کرنے والے اور جہاد سے آنکھیں چرانے والے کی مذمت کرتی ہیں اور وعید سناتی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انۡفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ (38) اِلَّا

تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔا ؕ(39)﴾ **"اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابلے تھوڑے ہیں۔ اگر تم نہیں نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے"** (سورۃ توبہ:39-38)، اور فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ۚ(15) وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰٮهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ(16)﴾ **"اے ایمان والو جب جنگ کے دوران کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو پیٹھ مت دکھانا، جو اس دن جنگی چال یا اپنے گروہ سے ملنے کے سوا ان کو پیٹھ دکھائے تو وہ اللہ کا غضب مول لے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے"** (سورۃ الانفال:16-15)۔

مزید براں رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم عمل اللہ کی راہ میں جہاد اور کفار کے خلاف قتال ہے۔۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لغدوة أو روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها»** **"اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے"** (بخاری)۔ اور فرمایا: **«رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها»** **"اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دنیا اور اس میں سب کچھ سے بہتر ہے"** (ترمذی)۔ اور فرمایا: **«إن مقام أحدكم في سبيل الله أفضل من صلاته في بيته سبعين عاماً، ألا تحبون أن يغفر الله لكم ويدخلكم الجنة، اغزوا في سبيل الله»** **"تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں قیام اپنے گھر میں ستر سال عبادت سے افضل ہے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہیں جنت میں داخل کرے، اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو"**، وغیرہ۔

یوں نصوص میں جو کچھ ہے وہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد ہی سب سے عظیم عمل ہے، اسی کا درجہ سب سے بلند ہے، تمام قرائن اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ تعریف، مذمت، ثواب، سزا، تمام قرائن اس بات پر ہی دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ سے زیادہ عظیم اور زیادہ بڑا ہے۔ نفس کے خلاف مجاہدہ کا کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہونے والی حدیث میں درایۃ قطعی نصوص سے تعارض ہے، اسی لیے اس سے استدلال باطل ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس بات کا پرچار کیا جاتا ہے کہ اسلام میں جہاد اقدامی جنگ نہیں بلکہ دفاعی جنگ ہے، جس کے لیے اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾" اور اگر وہ امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاو"(سورۃ الانفال : 61)۔ اسی طرح اس قول سے:﴿**وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾" اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو، یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"**(سورۃ البقرہ : 190)۔ اور اس ارشاد سے: ﴿**اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴾" ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن کو قتل کیا جاتا ہے ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے"**(سورۃ الحج:39)۔

جہاد کے خلاف اس طرح کے مؤقف غلط، رد شدہ اور غلط دلائل پر مبنی ہیں:

پہلا سبب: جہاد کے دلائل عام اور مطلق دلائل ہیں جس میں دفاعی جنگ اور اقدامی جنگ دونوں شامل ہیں، یعنی دشمن کے خلاف قتال شروع کرنا جس میں دفاعی جنگ وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس کے عام اور مطلق ہونے کی وجہ سے اس میں دشمن کے ساتھ ہر قسم کا قتال شامل ہے۔ اس کی تخصیص یا تقید کر کے اسے اقدامی اور دفاعی، دونوں کی بجائے صرف دفاعی جنگ کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے ایسی شرعی نص کی ضرورت ہے جو اس کی تخصیص یا تقید کرے، تاہم ایسی کوئی نص موجود نہیں، نہ ہی قرآن میں اور نہ سنت میں جو اس کی تخصیص یا تقید کرتی ہو، اس لیے جہاد عام ہی رہے گا اور تمام قسم کی جنگیں اس میں شامل ہیں، دشمن کے خلاف ہر قسم کا قتال اس میں شامل ہو گا۔

اس لیے اس آیت سے ان کا استدلال جو کہتی ہے:﴿ **وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** ﴾ **"اگر وہ امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ"**(سورۃ الانفال:61)، باطل استدلال ہے۔ اسی طرح دوسری آیات، یہ سورۃ توبہ کی آیات کے عموم کی تخصیص کی صلاحیت نہیں رکھتی، نہ ہی ان کے مطلق کو مقید کر سکتی ہیں کیونکہ جہاد کے بارے میں نازل ہونے والی وہی آخری آیات ہیں، پہلے نازل ہونے والی بعد میں نازل ہونے والی کی تخصیص یا تقید نہیں کر سکتی۔ تخصیص یا تقید کے لیے مطلق اور عام نص کا بعد میں یا ساتھ نازل ہونا لازمی ہے تا کہ ایک حالت دوسری حالت سے مختلف ہو۔ جبکہ یہ قول ﴿**وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** ﴾ **"اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں"**(الانفال:61)، حالتِ صلح کے بارے میں ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ قول: ﴿**قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ** ﴾ **" ایمان نہ لانے والوں سے قتال کرو"**(التوبہ:29)، حالت جنگ اور قتال کے بارے میں ہے۔ حالتِ صلح اور حالتِ جنگ دو الگ حالات ہیں، ان میں سے ایک حالت دوسری کو منسوخ نہیں کرتی۔

دوسرا سبب: اس سب پر مستزاد یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جہاد اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے اور اس کی دعوت کو پھیلانے کے لیے کفار کے خلاف قتال شروع کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله»
"مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں زکواۃ ادا کریں، اگر وہ ایسا کریں گے تو اپنے خون اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ رکھیں گے سوائے اس کے جو اس میں سے حق ہے اور جس کا حساب تو اللہ پر ہے" (بخاری)۔ آپ ﷺ جب کسی فوج یا کسی دستے کے لیے امیر مقرر فرماتے تو تنہائی میں اس کو اللہ سے ڈرنے اور اپنے ساتھی مسلمانوں کی خیر خواہی کی وصیت کرتے پھر فرماتے: « اغْزُوَا بسمِ اللهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوَا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتَهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يُجْرَى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يُجْرَى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يُجْرَى عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هم أَبَوا فعلهم الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ» "اللہ کا نام لے کر حملہ کرو جو اللہ کا انکار کرے ان سے قتال کرو، آگے بڑھو اور مال غنیمت کے معاملے میں خیانت نہ کرو، دھوکہ مت دو، کسی کو مسخ (اعضا کاٹنا) مت کرو، یا کسی بچے کو قتل نہ کرو، جب اپنے دشمنوں میں سے مشرکین کا سامنا ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو، ان میں سے جس کو بھی وہ مان جائیں تو وہ ان سے قبول کرو اور حملے سے باز رہو، ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان جائیں تو قبول کرو اور ان پر حملے سے باز رہو پھر ان کو اپنے دار سے دار المہاجرین منتقل ہونے کا کہو اور انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جیسے مہاجرین کے، لیکن اگر وہ انکار کریں تو انھیں بتاؤ کہ پھر وہ عرب مسلمانوں جیسے ہوں گے جن پر اللہ کا حکم ویسے ہی لاگو ہو گا جیسے ان مومنوں پر لیکن مالِ غنیمت اور مالِ فئی میں ان کے لیے کچھ نہیں سوائے یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ مان جائیں تو ان سے قبول کر لو اور ان پر حملے سے باز رہو لیکن اگر وہ انکار کریں تو اللہ کی مدد مانگتے ہوئے ان سے قتال کرو" (مسلم)۔

جہاں تک آپ ﷺ کے افعال کا تعلق ہے تو وہ واضح اعمال ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں، آپ ﷺ کا قریش کے قافلے کو دبوچنے کے لیے بدر کے لیے نکلنا قتال کے لیے نکلنا تھا۔ یہ قریش کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے قتال یا مدینہ پر حملے کی ابتدا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قتال کی ابتدا تھی، یہ کوئی دفاعی جنگ نہیں تھی۔ حنین کے مقام پر غزوہ ہوازن، طائف کا

محاصرہ، موتہ کے مقام پر رومیوں کے خلاف قتال، تبوک کا معرکہ سب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جہاد کو دفاعی جنگ کہنا مردود ہے بلکہ جہاد کفار کے خلاف قتال کی ابتدا ہے۔

تیسرا سبب: صحابہؓ کا اس بات پر اجماع کہ جہاد اسلام کو پھیلانے کے لیے کفار سے قتال ہے، یا قتال کی ابتدا کرنا ہے، اس کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں ان کے اجماع سے عراق، فارس، مصر، شمالی افریقہ فتح ہوئے۔

یوں ہم نے جو دلائل کا ذکر کیا وہ ان لوگوں کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد دفاعی جنگ ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض شکست خوردہ لوگ جب جہاد کے مسئلے پر دشمن سے بحث کرتے ہیں تو اسلام پر حملے، خاص طور پر جہاد کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ان کے اعتراضات کا جواب نہیں دے پاتے، کیونکہ ان حملہ آوروں کے نزدیک، جن میں مستشرقین بھی ہیں، جہاد ایک وحشیانہ اور بربریت اور عداوت پر مبنی عمل ہے جس کا ہدف کمزور اور پرامن قومیں ہیں جن پر قبضہ کرکے تلوار کے زور پر زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا مقصود ہے!!

جی ہاں مسلمان اس مسئلے میں تشویش کا شکار ہیں اور اس حوالے سے دشمن کے ساتھ بحث کرنے سے کتراتے ہیں اور جب جواب دینے کا قصد کر بھی لیں تو اس طرح ادھر اودھر کی باتیں کرتے ہیں جو اس فکر کی اصل کے منافی اور متضاد ہے، کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جہاد کا حکم صرف ذات اور شناخت کی حفاظت کے لیے دیا ہے، جس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

رہی بات منہ موڑنے والے کفار اور ان کی راہ پر چلنے والوں کی جانب سے اس تہمت کے رد کی تو ہم کہتے ہیں کہ کفار اور ان کی آئیڈیالوجی کے خلاف قتال کے لیے تلوار اٹھانے کا مطلب ہرگز ان کو طاقت کے زور پر اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں ہے، جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اس زبردستی سے منع کیا ہے اور اس کی اجازت نہیں دی، اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں: **﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ "دین میں زبردستی نہیں ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکے ہیں جو طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے"** (سورۃ البقرہ: 256)۔ یہ نص اس بات کو واضح کرتی ہے کہ کفار کے خلاف تلوار اٹھانا ان کو طاقت کے زور پر زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ زمین کو ان کے کفریہ نظامِ حکومتوں اور لوگوں پر ان کے جبر واستبداد سے پاک کرنے کے لیے تھا۔ لہٰذا تلوار اٹھانا تطبیق اور تنفیذ کے لیے تھا، اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اللہ کی شریعت کے ذریعے

لوگوں پر حکمرانی اور ان کو انسانوں کی حکمرانی سے آزاد کرنے کے لیے تھا۔ اس کے بعد لوگوں کو کفر اور ایمان میں سے ایک کو اختیار کرنے کی آزادی تھی۔

یہاں میں زبردستی اور مجبور کرنے کے الزام کے جواب میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہوں گا کیونکہ یہ حقیقت سے متضاد الزام ہے جس کو زیادہ اہمیت یا توجہ دینا ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ ان احمقوں کے الزامات اور جھوٹے پروپیگیڈہ کا جواب دینے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم تاریخ کی صاف ستھری کتابوں میں موجود حقائق اور شہادتوں سے ہی ان کا منہ بند کرسکتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ریاست خلافت میں رہائش پزیر یہود و نصاریٰ کے حالات تھے جہاں وہ اسلام کے سائے تلے زندگی گزارتے رہے ہیں جبکہ وہ اہلِ ذمہ تھے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان پر ان کے دین کی وجہ سے کبھی ظلم نہیں کیا گیا، ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ اس کو بزورِ قوت اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، بلکہ ان کی اکثریت خلافت کے زمانے سے آج تک اپنے آباواجداد کے پرانے دین پر ہیں۔ تو پھر کہاں ہے زبردستی کی تلوار کے زور پر اپنا دین اور اپنے عقائد سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنا؟ بلکہ جیسا کہ ہم نے عیسائی دنیا سے سنا ہے، کہاں ہیں وہ تفتیشی عدالتیں جو کہ پوپ کی طرف سے قائم کی گئیں تھیں اور جن میں آرتھوڈوکس مذہب کے خلاف عقیدہ یا رائے رکھنے والوں کو سزائیں دی جاتی تھیں؟

اس لیے ہم اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہم اس شش و پنج کا کوئی منطقی سبب نہیں دیکھتے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلام اس کا بڑا واضح اعلان کرتا ہے اور اس کو لوگوں سے نہیں چھپاتا کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **﴿يَآيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ "اے نبی ﷺ! مومنوں کو قتال پر ابھاریے"** (سورۃ الانفال: 65)۔

پھر یہ شش و پنج کیوں جبکہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی بالکل کھل کر استعماریت کی بات کرتی ہے اور اس کو اپنی آئیڈیالوجی کو پھیلانے کا مثبت طریقہ قرار دیتی ہے۔ کافر استعماری ممالک کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا ہے اس کا مشاہدہ اس کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ عالم اسلام کے عوام پر کس طرح حملے اور بمباری کی جارہی ہے، جیسے لیبیا، سوڈان، عراق، افغانستان، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا وغیرہ۔ اسی طرح اشتراکی آئیڈیالوجی جس میں کمیونزم بھی ہے جو کہ انقلاب برپا کرنے کے لیے عدم استحکام اور خانہ جنگیوں کو اپنی آئیڈیالوجی کو پھیلانے اور اقوام عالم میں افراتفری کو تیز کرکے تبدیلی لانے کا مثبت طریقہ قرار دیتی ہے۔ ان دونوں کے عالمبردار اعلانیہ یہ کہنے سے کتراتے نہیں اور ساتھ انسانیت کی خدمت کا دعوی بھی کرتے ہیں، جب کہ ہم بطور مسلمان اسلام کو اس دائرے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے اس کو چھوٹے چھوٹے مسلم ممالک میں بند کررہے ہیں اور دنیا میں اس کو پھیلانے کی جدوجہد نہیں کررہے کیونکہ اس سے اغیار پریشان ہونگے!

اس پسپائی اور بزدلی کا کوئی جواز ہمیں نظر نہیں آتا، سوائے دعوت کی ذمہ داری اور اللہ تعالی کے کلمہ کو بلند کرنے سے پیچھے رہنا اور انسانیت کو غلامی سے نجات دلانے سے دستبرداری، جیسا کہ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا: **إن الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام، فأرسلنا بدينه إلى خلقه لندعوهم إليه، فمَن قَبلَ ذلك قبلنا منه ورجعنا عنه ومن أبى قاتلناه أبداً حتى نقضي إلى موعود الله** "اللہ تعالی نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم تم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے اللہ کی بندگی میں پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لائیں، ہمیں اس کے دین کے ساتھ اس کی مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کی طرف بلائیں، جو اس کو قبول کریں، ہم بھی اس کی طرف سے قبول کریں گے اور ہم اس کو چھوڑ دیں گے، لیکن جو اس کا انکار کرے گا، ہم ان سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کے وعدے کو پورا نہ کر دیں"۔

ہم ان بزدل اور بے ہمت لوگوں سے کیا کہیں جو برداشت اور کافر دشمن کے ساتھ گفت وشنید کے احمقانہ دعووں کے ذریعے اس امت کو، جس کی تربیت اسلام کی تعلیمات اور ہدایت پر ہوئی ہے، رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ موقف بذات خود منافقین کا موقف تھا جو جہاد سے دور رہنا چاہتے تھے، جیسے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿**يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ**﴾ "**اور مومن کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں ہوتی پھر جب کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے جس میں قتال کا ذکر ہو تو تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے دلوں میں مرض ہے وہ تمہاری طرف ایسا دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو**"(سورۃ محمد:20)۔ یہ لوگ کفار کو راضی کرنے کے بدلے اللہ کی ناراضگی مول لینا چاہتے ہیں: ﴿**ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ**﴾ "**یہ اس لیے کہ انہوں اس کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اللہ کی رضا کو پسند نہیں کیا اس لیے اللہ نے ان کے اعمال کو غارت کر دیا**"(سورۃ محمد:28)۔

ذلیل حکمران اور ان کے آلہ کار کفار کی اس قدر چاپلوسی کرنے لگے کہ ان کو اپنا دینی بھائی تک کہہ ڈالا۔ کاش یہ بات خائن حکمرانوں اور ان کے پیروکاروں تک محدود ہوتی اور اس سے آگے نہ بڑھتی، مگر افسوس اسلام کے لبادے میں بعض مشکوک تحریکیں اس خبیث سازش میں ان ہی کی پیروی کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر دیارِ غیر میں موجود مسلمانوں کو وہاں کا فر مغرب ان تحریکوں کے ذریعے، جو ان علاقوں میں سرگرم ہیں، قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس بات پر قائل کرنے کے لیے ادھر ادھر ملاقاتیں، کانفرنسیں اور پریزنٹیشن دی جاتی ہیں کہ وہ کفار کی مخالف سوچ اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور انہیں قبول کرنے کے لیے ذلت آمیز بات چیت کا راستہ اپنائیں۔ ہمیں سوئٹزرلینڈ کے مسلمانوں کی تنظیم کی جانب سے شائع کیے جانے والے میگزین کا علم ہوا ہے

کہ جس کے کرتے دھرتے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ماضی میں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ جو کیا وہ صرف ایک افسوسناک تصادم کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مقالہ لکھنے والے ڈاکٹر عزالدین ابراھیم اپنے مقالے میں جس کا عنوان ہے (مسلم عیسائی بات چیت کا اسلامی نقطہ نظر) اس میں کچھ یوں لکھتا ہے، "۔۔۔ مسلمانوں نے اس بات چیت کو زبانی اور تحریری طور پر جاری رکھا ہوا ہے، سوائے دو مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان بدقسمت تصادم کے دور کے علاوہ شاید ہی اس پر کوئی بات ہو۔۔۔" جس کا معنی یہ ہے کہ کم ہمت اپنے آپ کو ان سلف صالحین سے زیادہ مہذب سمجھتے ہیں جنھوں نے جہاد کو کفار کے خلاف اقدامی قتال سمجھا۔ وہ اس منفی منطق کے ذریعے اللہ تعالی کے اس فرمان کو معطل کرنا چاہتے ہیں: ﴿**يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ**﴾ "**اے نبی ﷺ کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کرو ان سے سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، کیا ہی برا انجام ہے**" (سورۃ توبہ :73)۔ چہ جائیکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے محمد ﷺ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا: ﴿**وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ(105) اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ(106) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ(107)**﴾ "**ہم نے یاد دہانی کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہونگے۔ بے شک اس میں اعلان ہے عبادت گزار قوم کے لیے۔ اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے**" (سورۃ الانبیاء:107-105)، یعنی اللہ سبحانہ وتعالی نے نبی ﷺ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا تاکہ آپ ﷺ ان کو جہالت کی تاریکیوں سے اور طاغوت کے تسلط سے آزاد کریں۔ اور یہ وہی جہاد ہے کہ جس کے ذریعے تمام مجاہدین نے زمین کے مختلف حکمرانوں کے سامنے اللہ تعالی کے کلمہ کو بیان کیا کہ جب وہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرانے کے لیے اس جہاد کے ذریعے ہی آگے بڑھے۔ کیا بشریت کی اس ہدایت کی رحمت کے بعد کوئی اس کے مساوی رحمت ہے؟ تو پھر یہ جاہل اس رحمت کو کیوں معطل کرنا چاہتے ہیں؟

اس کے بعد اے مسلمانو، جان لو کہ جہاد قیامت کے وقت تک جاری رہے گا۔ کسی عادل کا عدل اور کسی جابر کا جبر اس کو معطل نہیں کر سکتا۔ اگر اس دور میں ہم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ ہمارے بعد ایسے جواں مرد بھیجنے پر قادر ہے جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے اور جن سے اللہ محبت کرے گا جو اللہ کے ساتھ کیے گئے اپنے وعدوں کو پورا کریں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلیں گے، اللہ کے اذن سے دوبارہ اسلام کی افواج روم، فرانس اور اس کے بعد کفر کے سرغنہ برطانیہ کی طرف پیش قدمی کریں گی اور اللہ کے اذن سے وائٹ ہاوس پہنچیں گی، جیسا کہ اس سے پہلے سعد بن ابی وقاصؓ کسریٰ کے محل پہنچے تھے، ﴿**اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**﴾ "**اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ ایسی قوم لائے گا جو اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ ان**

سے محبت کرے گا، جو مومنوں کے لیے عاجز اور کفار پر بالا دست ہونگے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسیع علم رکھنے والا ہے "(سورۃ المائدہ:54)۔

فہرست

سیاسی فہم کے لازمی اصول اور پالیسی سازی (حصہ دوئم): سیاسی معلومات اور خبروں کا تعاقب

لقمان حرزاللہ

چونکہ سیاسی تجزیئے کی بنیاد فہم پر ہوتی ہے نہ کہ تخیل پر، اس لئے یہ لازم ہے کہ ضروری معلومات کا اچھا خاصا مواد حاصل کیا جائے تاکہ فہم حاصل کیا جاسکے۔ سیاسی فہم کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے اس کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم موجودہ حالات وواقعات کے بارے میں خبریں ہیں اور دوسری قسم ان واقعات سے جڑی ہوئی معلومات اور ان سے متعلقہ صورت حال ہے۔ اور اس دوسری قسم کی معلومات کو ہم سیاسی معلومات کے نام سے جانتے ہیں۔

سیاسی معلومات ایسی معلومات کو کہتے ہیں جو کسی واقعے سے جڑی ہوتی ہیں اور اس کے گرد وپیش کے واقعات، جس میں اس واقعے کا تاریخی پس منظر، سیاسی جیوگرافی، واقعہ سے جڑی ہوئی شخصیات، اس واقعے سے متاثر ہونے والے ممالک، اور ان کا باہمی تعلق۔ اور ان معلومات کو محض علمی طور پر نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اس میں صرف سیاسی اہمیت کے حامل پہلوؤں کو پرکھا جائے گا۔

کسی واقعے سے متعلق سیاسی معلومات درج ذیل ہیں*

اول: سیاسی جغرافیہ

کسی ملک کا محل وقوع، جغرافیائی خصوصیات اور اس کے وسائل اس کی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور یہ سب اس ملک کے سیاسی واقعات کو سمجھنے میں ایک کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک ایسی ریاست جو جغرافیائی لحاظ سے عالمی تجارتی راستوں پر واقع ہو تو وہ اس پوزیشن میں ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کرے، یہ پہلو بذات خود اس ملک کو ایک بڑی طاقت بننے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک ایسا ملک جو جغرافیائی اہمیت کے حامل گزرگاہوں کے قریب واقع ہو جیسا کہ سمندری گزرگاہ اور بحری راستے، تو وہ اپنے اس محل وقوع کی وجہ سے ان سمندری راستوں سے گزرنے والوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور اپنے لئے دولت اکٹھی کر سکتا ہے۔ اگر کسی ملک کے پاس وافر معدنی وسائل موجود ہوں، جیسا کہ تیل، سونا، نایاب معدنیات اور یورینیم وغیرہ تو بھی اس ملک کے پاس دولت اکٹھی کرنے اور اثر ورسوخ حاصل کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی ملک کے نقل وحمل کے راستے بہت کٹھن اور دشوار ہوں تو یہ پہلو اس ملک کی دفاعی صلاحیتوں کو بہت بڑھادے گا...

دوئم: تاریخ

عالمی مسائل کا ایک تاریخی پہلو بھی ہوتا ہے جو موجودہ واقعات پر اثر انداز ہوتا ہے یا ایسا بھی ہے کہ موجودہ واقعات اپنے سے جُڑی تاریخ کی روشنی میں رونما ہو رہے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر یورپ اور روس کے تعلق کا جائزہ لیا جائے تو یہ قابل توجہ بات ہے کہ ان کے تعلق میں عداوت و دشمنی پائی جاتی ہے، ایک ایسی عداوت و دشمنی جس کی جڑیں تاریخ سے پھوٹتی ہیں۔ روس کے مغربی محاذ پر یورپی طاقتوں نے تین بار چڑھائی کی جو کہ اس تاریخی بغض کی ایک وجہ ہے۔

سوئم: لوگوں کے اوصاف

کسی ملک کا عمومی سیاسی رجحان اس کے لوگوں کے اوصاف سے الگ تھلگ نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر، اگر کسی علاقے کے لوگ محض اپنے معمولات کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں اور دوسروں کے امور کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو اس ریاست کی پالیسیوں کا جھکاؤ اقدامی جارحیت یا توسیع کی بہ نسبت دفاع پر زیادہ مرکوز ہوگا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ سیاسی تجزیہ کرتے وقت لوگوں کے اوصاف پر بھی خاص توجہ دی جائے۔

چہارم: عالمی منظر نامہ

یہ پہلو اس سے متعلق ہے کہ دنیا کے ممالک کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ جو ممالک عالمی منظر نامے پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ ایسے ممالک ہیں جن کی خارجہ پالیسیاں دوسرے ممالک پر اثر انداز ہونے کی قابلیت رکھتی ہیں۔ جب ایک یا ایک سے زیادہ ایسی طاقتیں ابھرتی ہیں جو عالمی امور پر اثر انداز ہو سکیں، تو وہ اس کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ ان عالمی تعلقات کی ہیئت کو بدل سکیں، اور یوں اس طرح عالمی منظر نامے کا نقشہ متعین کر سکیں۔ وہ ملک جو عالمی منظر نامے کا نقشہ کھینچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اسے دنیا کی صف اول کی طاقت سمجھا جاتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس ریاست کی نشاندہی کر لی جائے۔

جیسا کہ کوئی واقعہ صف اول کی ریاست کے علاوہ کسی اور ملک میں بھی پیش آ سکتا ہے تو اس لئے ضروری ہے کہ اس ملک کی حقیقت کو سمجھا جائے جس میں کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس ملک کا اس عالمی طاقت کے ساتھ تعلق اور اس تعلق کی نوعیت کو جانچنے کی ضرورت ہے۔ عالمی منظر نامے کو نظر انداز کر دینا یا واقعات کو اس بڑی عالمی طاقت سے جدا کرنا کسی بھی ذی شعور کے نکتۂ نظر کو محدود بنا دے گا جس سے فہم میں خامی پیدا ہو گی نتیجتاً ایک عالمی واقعہ محض مقامی وقوعہ بن کر رہ جائے گا۔

مثال کے طور پر، 2010ء میں نائیجر میں حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ یہ حقیقت بخوبی جانی جاتی ہے کہ نائیجر فرانس کے زیر اثر تھا اور فرانس یورینیم نکالنے کے لئے نائیجر کا استحصال کرتا رہا ہے۔ نائیجر کی اس عسکری بغاوت میں فرانس کے ایجنٹ مامادو تنجو Mamadou Tandja کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تھا۔ اس وقت نائیجر ایک بڑی طاقت، یعنی فرانس کی تابع ریاست تھا جبکہ دنیا کی عالمی طاقت کا درجہ امریکہ کے پاس تھا جو افریقہ میں فرانس کے اثرورسوخ کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔ جب ہم امریکہ کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امریکہ نے معزول صدر، تنجو کو قصوروار ٹھہرایا، نہ تو امریکہ نے اس کی بحالی کی بات کی اور نہ ہی تختہ الٹنے والوں اور بے دخل کئے گئے صدر کے درمیان کسی مفاہمت کی بات کی۔ یہ معلومات اس نتیجے کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس بغاوت کے پس پردہ امریکہ کا ہی ہاتھ تھا۔

پنجم: اس واقعہ سے متاثرہ ریاست کے حوالے سے سیاسی منصوبے

مثال کے طور پر، 2023ء میں جب سوڈان میں فسادات برپا ہوئے تو عالمی منظر نامے کو سمجھنے کے لئے، سوڈان کے عالمی سربراہ طاقت کے ساتھ تعلقات کو سمجھنا اگرچہ خاصا اہم ہے لیکن فقط یہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ تجزیہ کار سوڈان کے بارے میں تیار کئے گئے سیاسی منصوبوں کی بھی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ تو فوری طور پر ایک تاریخی منصوبہ ذہن میں آتا ہے: سوڈان کی تقسیم کا منصوبہ جس کی کڑیاں برطانوی استعماری دور سے جا ملتی ہیں، جہاں انتظامی تقسیم کو اس طرح سے تشکیل دیا گیا تھا کہ آئندہ مستقبل کی تقسیم کو آسان بنایا جاسکے۔ مغربی حلقوں میں اس منصوبے پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

ایک اور تازہ ترین منصوبہ یہ ہے کہ یورپ کی یہ کوشش ہے کہ سول حکمرانی کے لئے دباؤ ڈال کر سوڈان کو اپنے زیر اثر لایا جائے، ایک ایسا منصوبہ جس نے اپنے مقاصد کی خاطر عمر البشیر کے خلاف سوڈانی انقلاب کا استحصال کیا۔ ایسے واقعات کا تجزیہ کرتے وقت ان سیاسی منصوبوں کو نظر انداز کر دینا غلط ہو گا۔ ان منصوبوں کی حقیقت کو پہچانے بغیر تجزیے میں گہرائی کا فقدان ہو گا اور تجزیہ بالکل مختلف اور ممکنہ طور پر غلط سمت اختیار کر جائے گا۔

ششم: ممکنہ قریب ترین صورتِ حال

جب اگر کسی ملک یا خطے میں کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور عالمی منظر نامے کا ادراک بھی کیا جا چکا ہو اور اس واقعے سے متاثرہ ریاست اور دنیا کی سربراہ طاقت کے مابین تعلقات بھی جانچ لئے گئے ہوں اور اگر اس واقعے سے متعلقہ ریاست کے حوالے سے کوئی براہ راست سیاسی منصوبہ بھی نہ ہو تو پھر تجزیہ نگار کو ممکنہ قریب ترین صورتِ حال پر غور کرنا چاہیئے۔

مثال کے طور پر، جب امریکہ نے 2017ء میں آسٹریلیا، بھارت اور جاپان کے ساتھ اپنے اتحاد کی تجدید کی اور یہ بات معلوم تھی کہ امریکہ ان میں سے کسی ملک کے لئے فرداً فرداً کوئی مخصوص سیاسی منصوبہ نہیں رکھتا لیکن یہ اتحاد اس دور میں بحال کیا گیا تھا جب امریکہ نے چین کو قابو میں کرنے کے لئے ایک منصوبے کا آغاز کیا تھا، جو ڈونلڈ ٹرمپ کی پہلی صدارتی مدت کے دوران شروع کیا گیا تھا اور اس کے بعد بھی جاری رکھا گیا تھا۔ تو پھر اس منصوبے کو ممکنہ قریب ترین صورتِ حال کے طور پر لازمی ذہن میں رکھنا چاہیے۔ یوں اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان ممالک کے ساتھ امریکہ کے اتحاد کی یہ تجدید چین پر قابو پانے کی امریکی کوششوں کے فریم ورک کے اندر رہ کر ہی وقوع پذیر ہوئی ہے۔

ہفتم: واقعہ سے براہ راست جڑی شخصیات

چونکہ افراد سے ہی سیاست مرتب ہوتی ہے اس لئے واقعات کی تشکیل سے براہ راست جڑی شخصیات کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ ان افراد کے رجحان کو سمجھ کر کوئی بھی بخوبی یہ جان سکتا ہے کہ واقعہ کس سمت جارہا ہے۔

مثال کے طور پر، غزہ پر 2023ء کی جنگ کے دوران یہودی وجود کا وزیر اعظم، بینجمن نیتن یاہو تھا۔ اس وقت ہم بین الاقوامی تناظر اور ممکنہ قریب ترین صورتِ حال سے بھی باخبر تھے۔ تاہم اس بات پر بھی گہری نظر ڈالنا ضروری ہے کہ آخر نیتن یاہو کون ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ نیتن یاہو کے امریکہ میں اے آئی پی اے سی (AIPAC) کے ساتھ گہرے مراسم ہیں اور اسے ان کی حمایت حاصل ہے۔ نیتن یاہو ٹرمپ کے ریپبلکن کیمپ سے بھی منسلک ہے جو کہ اس وقت صدر بائیڈن کے خلاف کانٹے کا مقابلہ کر رہا تھا جبکہ امریکہ میں وہ وقت انتخابی سال کے الیکشنز کا تھا۔

نیتن یاہو کے پاس یہودی وجود کے لئے ایک ایسا سیاسی ایجنڈا تھا جو امریکی دو ریاستی حل سے متصادم تھا۔ اس نے غزہ اور مغربی کنارے کے درمیان علیحدگی کو برقرار رکھنے کے لئے سرگرمی سے کام کیا۔ مزید براں اسے عدالت میں کرپشن کے الزامات کا سامنا بھی تھا۔ ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ نیتن یاہو نے جنگ بندی اور قیدیوں کے تبادلے کے ان معاہدوں میں رکاوٹیں کیوں ڈالیں جن پر عمل درآمد کروانے کے لئے امریکہ کوششیں کر رہا تھا۔ اگر نتین یاہو کی جگہ یہودی وجود کا کوئی اور وزیر اعظم ہوتا، جو کہ یہودی وجود میں امریکہ کے وفادار ترین لوگوں میں سے ایک ہے، تب یہودی وجود کا رویہ شاید مختلف ہوتا۔

ہشتم: واقعہ سے استفادہ حاصل کرنے والے

کسی واقعہ سے کون فائدہ اٹھاتا ہے اس کے بارے میں مطالعہ مفید ہو سکتا ہے لیکن صورتحال کی حقیقت کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے دیگر ذرائع سے توثیقی ثبوت درکار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو متعدد فریق اس سے

فائدہ اٹھاسکتے ہیں جن میں کچھ نے ہو سکتا ہے اس کی منصوبہ بندی کی ہو جبکہ دیگر مستفید ہونے والے فریقین کا اس کی منصوبہ بندی میں کوئی دخل نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی کا فہم صرف اس بات کی پہچان پر مبنی ہے کہ کون فائدہ اٹھارہا ہے تو یہ تجزیہ ناقابل اعتبار ہو گا جس پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔

سیاسی فہم کے لئے ضروری معلومات کی یہ اقسام ہیں اور ذیل میں ہم ان میں سے چند اقسام کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

- خبروں کا تعاقب (متابعة الأخبار)

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سیاسی فہم پیدا کرنے کے لئے معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان معلومات میں موجودہ صورتحال کی معلومات اور سیاسی معلومات دونوں کی خبر رکھنا شامل ہیں۔ خبروں کا تعاقب محض ایک سرسری نظر دوڑانے کے طور پہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ کسی بھی پیش رفت کے بارے میں دانستہ اور بامقصد طور پر باخبر رہنا چاہئے۔

عربی لغت میں لفظ "متابعة" کے معنی تلاش میں لگ جانا، تعاقب کرنا، پیروی کے ہیں۔ اور یہ معنی پہلی چیز کو بعد میں آنے والی چیز سے جوڑنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے پچھلا قدم اگلے قدم کا تعاقب کرتا ہے۔ یہی اصول خبروں کے تعاقب پر بھی لاگو ہوتا ہے جس میں خبروں کو سننا اور پڑھنا دونوں شامل ہیں۔ خبروں کا تعاقب کرنے کا مطلب ہے کہ تمام اہم اور بظاہر معمولی نظر آنے والی خبروں کا تعاقب کیا جائے اور مفید معلومات کی تلاش کی کوشش کی جائے۔ ایک بظاہر غیر اہم رپورٹ میں کسی اہم واقعے سے جڑی معلومات ہو بھی سکتی ہیں اور نہیں بھی۔ چونکہ مبصر یہ نہیں جانتا کہ مفید معلومات کب اور کہاں نمودار ہوں گیں اس لئے اسے خبروں کی چھان بین پوری تندہی سے کرنی چاہیے۔

خبروں کا تعاقب کرنے والا شخص یا تو معلومات کے کسی خاص حصے کو تلاش کر سکتا ہے جس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ موجود ہے یا وہ ممکنہ طور پر کسی اہم اور مفید معلومات کو تلاش کر سکتا ہے۔ وہ معلومات جن کے وجود کے بارے میں گمان تب پیدا ہوتا ہے جب ذہن میں کسی واقعے کی نامکمل تصویر ہو اور اس تصویر کو مکمل کرنے کے لئے ایک خاص گمشدہ حصہ کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں تلاش ایک ہدف کے ساتھ اور مخصوص ہو جاتی ہے۔ تاہم جب ذہن میں تصویر ابھی اپنی ابتدائی شکل میں ہو یا ابھی پوری طرح سے بنی نہ ہو تو کسی بھی اہم معلومات کے لئے وسیع پیمانے پر تلاش کرنی چاہیے، چاہے اس کے خدوخال ابھی تک واضح نہ ہوئے ہوں۔ اور جب ایک بار معلومات حاصل ہو جائیں تو ان کی اہمیت اس کی نوعیت سے پہچانی جائے گی۔

معلومات کے کچھ ایسے سیاسی حصے ہوتے ہیں جو خود واقعے کی بابت براہ راست بتارہے ہوتے ہیں جبکہ کچھ اور حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سیاسی طور پر اس واقعہ سے متعلق ہوتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ سے جڑی شخصیات کے بارے میں معلومات، واقعہ سے منسلک

سیاسی منصوبہ یا ممکنہ قریب ترین صورتِ حال۔ یہ معلومات کی وہ اقسام ہیں جن کا اکٹھا کیا جانا نہایت ضروری ہے۔ دوسری طرف ان زمروں میں نہ آنے والی معلومات جیسا کہ جذباتی کہانیاں یا ڈرامائی بیانیہ جو میڈیا ذرائع کے ذریعے محض ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نشر کیے جاتے ہیں، ان کو نظر انداز کیا جانا چاہیے۔

ایک سیاسی محقق کی طرف سے آنے والی خبریں مختلف شکلوں میں آسکتی ہیں: کسی واقعہ اور اس سے متعلقہ پیشرفت کے بارے میں براہ راست رپورٹ کی صورت میں، یا کسی واقعہ اور اس سے مربوط تعلق کو بیان کرتے ہوئے ایک مضمون کی صورت میں یا ایک رائے کی صورت میں کہ جس میں ایک لکھاری واقعہ کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ اور یہاں کسی سیاسی تجزیہ نگار کے لئے یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ اس مواد سے کیا لینا چاہیے اور کن امور کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

خبر کو سننے یا پڑھ لینے کے بعد ایک دانشمندانہ انداز میں اس کی درجہ بندی کی جانی چاہیے یعنی کہ آیا یہ معلومات محفوظ رکھنی ہے یا کہ اسے نظر انداز کرنا ہے۔ جو معلومات محفوظ رکھنی ہیں وہ ایسی معلومات ہیں جو اس واقعہ سے براہ راست منسلک ہوں۔ واقعہ سے غیر متعلقہ کوئی بھی معلومات نیز کسی بھی تجزیہ یا رائے کو ایک طرف کر دینا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سیاسی تجزیہ کار کو اپنا تجزیہ آزادانہ طور پر خود کرنا چاہیے اور اسے کسی اور کی تعبیر پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک رائے لکھنے والا لکھاری وہی سیاسی افکار رکھتا ہو جو ایک تجزیہ نگار کے ہوتے ہیں۔ در حقیقت بہت سے تجزیہ نگار مفروضوں، قیاس آرائیوں یا محض منطق کی بنیاد پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھتے ہیں، اور حتیٰ کہ کچھ تجزیہ نگار تو دانستہ طور پر گمراہ بھی کرتے ہیں، جبکہ دیگر تجزیہ نگار اس واقعہ کے ایک رخ یا جذباتی رد عمل پر مبنی تاثرات کو اپنے نکتۂ نظر پر اثر انداز ہونے دیتے ہیں۔

لہٰذا براہ راست خبریں اور وضاحتی مضامین، کسی تجزیہ نگار کی رائے کے مقابلے میں زیادہ قدر کے حامل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ اس رائے میں بھی اہم معلومات ہوں جو اس لکھاری نے کہیں سے حاصل کرلی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لکھاری خبروں کے ذرائع کا حصہ بنے رہتے ہیں گو کہ وہ رائے براہ راست خبروں کی رپورٹوں اور تجزیوں کے مقابلے میں کم ترجیح رکھتی ہیں۔

جہاں تک ان ذرائع کا تعلق ہے جن سے ایک سیاسی تجزیہ نگار خبریں اور مضامین اکٹھی کرتا ہے تو وہ باوثوق نیوز چینلز اور معتبر اخبارات ہونے چاہیئں یعنی وہ ذرائع جو اپنی رپورٹس کے لئے مستند جانے جاتے ہوں۔ تاہم ایک سیاسی تجزیہ نگار کو ان ذرائع کی خبروں پر اندھا اعتماد نہیں کر لینا چاہیے انہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا مقصد مفید معلومات کی تلاش ہے جو ان میڈیا ذرائع سے حاصل ہو بھی سکتی ہیں اور نہیں بھی۔

یہ نکتہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ان چینلز اور اخبارات کے میلان اور ان کی طرفداری پر بھی نظر رکھی جائے، کیونکہ قدامت پسند اشاعتیں دائیں بازو کے طرز نظر کے مطابق خبریں پیش کر رہی ہوتی ہیں اور یہی حال بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والے میڈیا ذرائع کا ہے۔ ایک ہی معلومات کو دونوں طرف سے رپورٹ کیا جا سکتا ہے لیکن ہر کوئی اسے مختلف نکتۂ نظر سے پیش کرے گا۔ چنانچہ تجزیہ نگار کو متعصب لسانی فریمنگ کے جال میں نہیں پھنسنا چاہیے۔

مضمون کے لکھاری پر بھی توجہ دینی چاہئے، کچھ لکھاری اور صحافی واضح طور پر کسی واقعہ یا اس واقعے سے متعلق اہم شخصیات سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی رپورٹنگ کی درستگی کے بارے میں پختہ عزم ظاہر کرتے ہیں۔ جب ان کے مضامین اور خبروں کو پڑھنے کی بات آتی ہے تو یہ لکھاری دوسروں کے مقابلے میں زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔

ایک سیاسی تجزیہ کار کو ان شخصیات کی طرف سے جاری کردہ ہر خبر کا تعاقب کرنا چاہیے جو واقعات میں یا تو براہ راست ملوث ہوں یا اس کے متاثرین میں سے ہوں۔ مثال کے طور پر، اگر مشرق وسطیٰ میں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے اور امریکی وزیر خارجہ اس کے بارے میں پریس کانفرنس کرتا ہے تو تجزیہ نگار کو اس کانفرنس کو ضرور سننا چاہئے۔ یہی بات امریکہ کے صدر، قومی سلامتی کے مشیر، وائٹ ہاؤس کے ترجمان اور اس واقعے کی تشکیل میں شامل دیگر افراد کے بیانات پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ امریکہ اس وقت دنیا کی صف اول کی طاقت ہے اور مشرق وسطیٰ پر ایک وسیع کنٹرول رکھتا ہے۔

بسا اوقات ہمیں حکام کے بیانات میں یا ان کے قول و فعل میں تضاد نظر آ سکتا ہے۔ اس مخمصے کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ درست معلومات کو بھٹکانے والے بیانات سے الگ کیا جائے۔ یہ کام اس سیاق کو سباق کا جائزہ لے کر کیا جا سکتا ہے جس میں کوئی بھی بیان دیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر، اگر امریکی صدر دو بظاہر متضاد بیانات دے جس میں ایک بیان قصداً امریکی عوام کے لئے ہو سکتا ہے جبکہ دوسرا بیان اس مسئلے یا واقعے کی طرف ہو۔ جب ہر بیان کو اس کے مناسب سیاق و سباق کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ طے کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ معاملے کا کون سا درست رخ ہے اور کون سا رخ بھٹکانے والا ہے۔

مزید براں یہ ضروری ہے کہ زبانی بیانات کا موازنہ حقیقت میں انجام پائی گئی کاروائیوں کے ساتھ بھی کیا جائے۔ ایسا اس لئے ہے تاکہ میسر معلومات کی روشنی میں ان کاروائیوں کا موازنہ کیا جا سکے اور اس مخصوص واقعہ یا خطے کے حوالے سے بیان جاری کرنے والی ریاست کے مقاصد کا بھی۔ اگر کوئی بیان وسیع سیاسی منصوبے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو جبکہ عمل اس سے متضاد ہو تو بیانیہ ممکنہ طور پر سچا ہو گا اور کاروائی کا مقصد محض دھوکہ دہی۔ اس کے برعکس، اگر وہ اقدام منصوبے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو جبکہ بیان اس کے ساتھ مطابقت نہ رکھتا ہو تو وہ کاروائی سچ ہے اور بیان بھٹکانے والا ہو گا۔ مختصر یہ کہ خبر کو مجموعی سیاق و سباق یا اس کے گرد و پیش میں موجود وسیع تر منظر نامے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

انجام دیئے گئے افعال میں بھی دھوکہ دہی ویسے ہی پائی جاتی ہے جیسے الفاظ میں اور اسے پہچاننا ایک سیاسی تجزیہ نگار کی بنیادی مہارتوں میں سے ایک ہے جو اس کے پاس ہونی چاہئے۔ ایک غیر مسلم سیاست دان دھوکہ دینے کے لئے جھوٹ بول سکتا ہے لیکن ایک مسلمان سیاستدان جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کی بجائے وہ دانستہ ایسا اندازِ بیاں استعمال کر سکتا ہے جس سے قریب کے معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہو جبکہ در حقیقت زیادہ دور کے معنی یا اس سے بھی گہرے چھپے ہوئے معنی کا ارادہ ہو۔

مثال کے طور پر، رسول اللہ ﷺ بعض اوقات کسی فوجی مہم کو اس کے حقیقی ہدف کی بجائے کسی اور سمت میں بھیجتے اور جب وہ مہم کسی ایسے مقام پر پہنچ جاتی جہاں سے دشمن خود کو محفوظ سمجھنے لگتا اور یہ فرض کر لیتا کہ اس مہم کا مطلوبہ ہدف وہ نہیں ہے تو آپ ﷺ مہم کو اس کے اصل ہدف کی طرف موڑ دیتے۔ سیاسی کاروائیوں میں بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے جیسا کہ فوجی کاروائیوں میں ہوتا ہے۔

خبروں کا تعاقب کرنا، درست خبر کا انتخاب کرنا اور اسے کھنگال کر الگ کر لینا جو مفید ہو، یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لیے مشق اور تجربے کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اس میں مہارت حاصل ہو جائے اور یہ عمل تجزیہ نگار کے لئے آسان ہو جائے۔

(جاری ہے...)

فہرست

وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کے دلائل سے واقفیت

يوسف الساريسي– فلسطين

امریکہ کی طرف سے مسلم دنیا میں الحاد (Atheism) کو پھیلانے کی کوششیں:

کچھ سال پہلے، جولائی 2022ء میں، کونسل آن امریکن اسلامک ریلیشنز (CAIR) نے ایک امریکی پروگرام کے حوالے سے گہری تشویش کا اظہار کیا، جس کا مقصد مسلم دنیا میں الحاد (Atheism) کی ترویج کرنا تھا۔ امریکی محکمہ خارجہ سے وابستہ "بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر" (DRL) نے 21 اپریل، 2022ء کو ایک اعلان کیا، جس کا عنوان تھا: "DRL FY20 IRF: Promoting and Defending Religious Freedom Inclusive of Atheist, Humanist, Non-Practicing and Non-Affiliated Individuals" یعنی "DRL FY20 IRF: الحاد، انسان دوست (Humanist)، برائے نام مسلمان اور کسی مذہب سے وابستہ نہ رہنے والے افراد سمیت مذہبی آزادی کا تحفظ اور فروغ"۔ اس پروگرام کی سرگرمیوں کی فنڈنگ کا مقصد یہ ہوگا کہ "ہدف ممالک میں تمام مذاہب کی مختلف کمیونٹیز سے تعلق رکھنے والے ملحد، انسان دوست (Humanist)، کسی مذہب پر عمل نہ کرنے والے اور کسی مذہب سے وابستہ نہ رہنے والے متنوع افراد کے لئے وکالت کرنے والے نیٹ ورکس کو قائم یا مضبوط بنایا جائے"۔ امریکی محکمہ خارجہ نے ان سرگرمیوں کے لئے مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے علاوہ جنوبی اور وسطی ایشیا کے علاقوں کی نشاندہی کی تھی۔

نتیجتاً، مسلمانوں اور خاص طور پر حاملینِ دعوت کے لئے یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے دین کے خلاف امریکہ اور اس کے پیروکاروں کی چھیڑی ہوئی اس جنگ کا مقابلہ کریں، اور حق کے تیروں سے ان کے باطل کو پاش پاش کر دیں۔ اسی مقصد کے تحت یہ مضمون تحریر کیا گیا ہے۔

مقدمہ:

جب ہم اپنے سے فکری اختلاف رکھنے والوں سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں، تو بات چیت کے لئے ایک "مشترک بنیاد" (Common Ground) کا ہونا ناگزیر ہے۔ ایک ایسے شخص سے بحث کرنا جو مسلمان اور صاحبِ ایمان ہو، کسی ایسے شخص سے بحث کرنے سے یکسر مختلف ہوتا ہے جو ملحد ہو اور سرے سے خالق کے وجود کا منکر ہو۔ اسی طرح ایک عیسائی کے ساتھ بحث کا انداز ایک دہریئے (Marxist) کے ساتھ مباحثہ کرنے سے مختلف ہوتا ہے اور یہی معاملہ دیگر مختلف تصورات رکھنے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ یہاں "مشترک بنیاد" سے ہماری مراد وہ امور ہیں جن پر دونوں بحث کرنے والے متفق ہوں اور انہیں ایسے بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہوں جو بحث کے لئے بنیاد اور حوالہ کا کام دیں۔ چنانچہ ان اصولوں کو ان معاملات کے لئے معیار کے طور پر استعمال کیا جائے گا جن پر بحث کی عمارت کھڑی کی جائے گی، تاکہ مشترکہ نتائج یا اس بنیاد پر مبنی افکار تک پہنچا جا سکے۔

کسی بھی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا ایک مسلمان کسی بھی زیرِ بحث مسئلے میں قرآن و سنت کو بطورِ حوالہ (فیصلہ کن بنیاد) تسلیم کرتا ہے، البتہ وہ آپ سے شرعی نصوص (أصول الفقه) کے معتبر دلائل میں اختلاف کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ایک ملحد ان تمام باتوں سے انکار کرے گا کیونکہ وہ سرے سے ہی اللہ کے وجود کا منکر ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک ایک نصرانی کا تعلق ہے، تو وہ خدا کے وجود اور انبیاء و رسل کو تو مانتا ہے لیکن وہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا۔ لہٰذا، کسی بھی فرد سے بحث کا آغاز ایسے مخصوص بنیادی اصولوں سے ہونا چاہیے جن کا اعتراف دونوں فریقین کرتے ہوں۔ اس طریقہ کار کو اپنانے کا مقصد یہ ہے کہ بحث نتیجہ خیز اور تعمیری ثابت ہو۔ تاکہ اس کے ذریعے حق تک رسائی اور درست نتیجے تک پہنچنا ممکن ہو سکے۔

ملحدین سے بحث کے لئے ضروری بنیادی اصول:

اگر کوئی داعی، کسی ملحدین یا شکوک و شبہات رکھنے والوں کے ساتھ عقلی طریقے سے وجودِ باری تعالیٰ کے مسئلے پر مباحثہ کرنا چاہتا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ مباحثہ کے آغاز سے پہلے ایسے اصول اور بنیادیں پیش کرے جو عمومی مشاہدہ میں جانے جاتے ہوں اور جن پر بحث کی عمارت کھڑی کی جائے۔ یہ عمل اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وجودِ الٰہی کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کیے جائیں وہ قوی ہوں، ان میں کوئی جھول نہ ہو، اور وہ مخالفین کے لئے حجت اور قائل کر دینے والی قوت رکھتے ہوں۔

اس مضمون میں، ہم ان ضروری بنیادی اصولوں کا احاطہ کریں گے جن کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب ہم اللہ کے وجود کے بارے میں ملحدین، منکرین یا شکوک و شبہات رکھنے والوں کے ساتھ بحث کرنے اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے ساتھ ایسی مشترک بنیادوں سے آغاز کریں جو ہمارے اور ان کے درمیان یکساں ہوں۔ اور یہ بنیادی اصول قرآن و سنت سے اخذ کردہ دلائل (الأدلة النقلية) نہ ہوں، اور نہ ہی یہ علمِ اصول الفقہ سے اخذ ہوں۔ بلکہ یہ ایسے بنیادی اصول ہوں جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہوتے ہیں؛ اور ان میں سے چند یہ ہیں "عقل اور اس کے بنیادی پیمانے، فکر و تصورات کی شرائط اور عقلی دلیل (الدليل العقلي) کی بنیاد کا طریقہ کار"۔

جب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جنہیں ہم اصولِ دین یا عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کو عقلی طور پر ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں — جیسے کہ دلیلِ محدودیت (دليل المحدودية argument /evidence of limitation -)، دلیلِ احتیاج (دليل الاحتياج - argument / evidence of dependency)، اور دلیلِ عنایت (دليل العناية- argument of providence) وغیرہ — تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلائل عقلی پیمانوں اور مضمر بنیادوں (implicit premises) پر انحصار کرتے ہیں، جو ان دلائل میں ہی موجود ہوتی ہیں۔ یہ بنیادیں (premises) اکثر مخفی ہوتی ہیں یا انہیں باضابطہ طور پر بیان نہیں کیا جاتا، اور ہمیں ان کو ظاہر کرنے اور ان کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بطور بنیادی اصول — خواہ وہ بدیھی امور (self evident matters) ہوں یا اصلیات (بنیادی امور) ہوں — کوئی بھی دو ذی عقل ان سے اختلاف نہیں کریں گے۔ یعنی، مخالف رائے والوں کے لئے متفقہ بنیاد (common ground) صرف عقلی دلائل (الأدلة العقلية) اور ان کے مفروضے (premises) ہی ہوتے ہیں۔

دلائل کی تمہید:

چونکہ عقل کی حقیقت، عقلی دلائل اور استدلال (طريقة الاستدلال) کا طریقہ کار اکثر لوگوں کے نزدیک واضح اور مرتب نہیں ہے، بالخصوص ان لوگوں کے ہاں جو فکری کج روی کا شکار ہیں جیسے ملحدین اور شکوک و شبہات رکھنے والے؛ اس لئے یہ ضروری تھا کہ کسی ملحد یا شک کرنے والے کے ساتھ وجودِ باری تعالیٰ کے ثبوت و دلائل پر بحث شروع کرنے سے پہلے چند عقلی حدود پر اتفاق کر لیا جائے۔

مخالف فریق مباحثہ کے دوران بعض ایسی تجاویز یا دعووں سے اختلاف کر سکتا ہے جن کے یقینی ہونے کو ہم ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر لیتے ہیں، جبکہ وہ انہیں غیر حتمی سمجھتا ہو یا انہیں تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو۔ مثال کے طور پر، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "خالق کا خود 'غیر مخلوق' ہونا لازمی ہے اور اس کے برعکس سوچنا عقلی طور پر محال (Absurd) ہے"، تو ہم یہاں ایک عقلی مقدمے پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں: یعنی بطلانِ تناقض (تناقض کا باطل ہونا) اور تلازمِ صفات (صفات کا ایک دوسرے کے لئے لازم ہونا)۔ مخالف فریق اس پر اعتراض کر سکتا ہے اور کسی ایسے علمی رخنہ یا "خامیوں" کی تلاش میں دلیل کی گرفت سے بچنے کی کوشش کر سکتا ہے جس کے ذریعے وہ راہِ فرار اختیار کر سکے۔ اسی لئے، یہ زیادہ بہتر ہے کہ بحث سے پہلے ان حدود کو دونوں فریقین پر لازم اور طے شدہ کر دیا جائے۔

اسی لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم مطلوبہ عقلی دلیل کے لئے پہلے سے راہ ہموار کریں، اور وہ اس طرح کہ مخصوص بنیادی اصولوں پر اتفاق کیا جائے، جو کہ دلیل کی ماہیت اور دلائل کی حدود ہیں۔ جہاں تک دلیل کی ماہیت کا تعلق ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ: "ثبوت کے لئے وہ کون سی دلیل ہے جو مطلوب ہے، جس کے ذریعے ایسا نتیجہ حاصل ہو جو بلا شک و شبہ قطعی ہو؟" یہاں یقین لانے کے لیے خالق کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا مطلوب نہیں ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا: ﴿**يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَى أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً**﴾ "اہلِ کتاب آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک (لکھی ہوئی) کتاب نازل کرا لائیں، حالانکہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا کھلم کھلا دیدار کروا دو" [سورۃ النساء؛ 4:153]۔ مطلوبہ استدلال دراصل یہ ہے کہ ایک معلوم شے سے آغاز کر کے ایک مجہول (غیر معلوم) چیز کا علم حاصل کیا جائے، کیونکہ دلیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کسی دوسری چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ پس دلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایسی معلوم شے سے شروع ہو جو کہ محسوس اشیاء کا حسی ادراک (Sensory Perception) ہے، تاکہ اس کے ذریعے کسی غائب یا مجہول حقیقت تک پہنچا جا سکے، اور یہاں ہماری مراد "معرفتِ الٰہی" اور "ایمان بالغیب" ہے۔ یعنی استدلال کی بنیاد محض منطقی حدود یا فلسفیانہ شکوک و شبہات پر نہ ہو، بلکہ حس (Sensation) پر ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ عقلی دلیل اور فکر و سوچ کی شرائط کو بروئے کار لایا جائے۔

جہاں تک دوسرے امر کا تعلق ہے، تو وہ مفروضے جنہیں ہم استعمال کرتے ہیں، یہ ایسے بنیادی اصول ہیں جو عالمگیر سطح پر مانے جاتے ہیں اور ان پر مخالف کے ساتھ عمومی طور پر اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ یہ چار اقسام پر مشتمل ہیں: اصول (البديهيات)، بنیادی امور

(الأصلیات)، سببیت (السببية)، اور تلازمِ صفات (صفات کا باہم لازم ہونا)۔ اب ہم ان حدود کی مختصر وضاحت کریں گے تاکہ ان کی حقیقت واضح ہو جائے اور ان کی اہمیت اچھی طرح سمجھی جا سکے۔

اول: بدیہی امور (بدیهيات):

اصول (البدیهيات)، جنہیں ابتدائی اصول (ألاولیات -Primary Principles) بھی کہا جاتا ہے، وہ معیارات ہیں جن پر استعمال کیے جانے والے عقلی دلائل کی صحت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ انہیں "بدیہی" اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ براہِ راست فکر و تصورات کے قوانین پر مبنی ہوتے ہیں۔ فکر میں ایک بنیادی قانون مطابقت (المطابقة -Concordance) کا ہے، جس سے "بطلان التناقض" (تناقض کا باطل ہونا) کا اصول جنم لیتا ہے۔ چنانچہ، یہ لازمی ہے کہ دلائل ایک دوسرے کے متضاد نہ ہوں۔ اسی طرح، دلائل کا سلسلہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جو کبھی ختم نہ ہو، جسے "لامتناہی تسلسل کا بطلان" (بطلان التسلسل اللانهائي - Invalidity of Infinite Regress) کہا جاتا ہے۔ (مثال کے طور پر، اگر ہر چیز کو کسی دوسری چیز نے پیدا کیا ہے، تو یہ سلسلہ ایک ایسی ہستی پر ختم ہونا چاہیے جسے کسی نے پیدا نہ کیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ)، ورنہ کائنات کبھی وجود میں ہی نہ آتی)، اور نہ ہی یہ دلائل "دائروی" (Circular) ہونے چاہئیں، جسے "بطلان الدور" (Invalidity of Circular Reasoning) کہا جاتا ہے۔ (یہ کہنا کہ "الف" نے "ب" کو پیدا کیا اور "ب" نے "الف" کو، یہ عقل کے نزدیک محال اور باطل ہے)۔ مزید برآں، ایک اصول "بطلانِ ترجیح بلا مرجح" کا ہے، (اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کے امکانات برابر ہوں، تو اس کا وجود میں آ جانا ثابت کرتا ہے کہ کسی "(خالق)" نے اس کے وجود کو ترجیح دی ہے)۔ اور یہ کہ ہر واقعے کے لئے ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے، جو کہ اصولِ سببیت (Causality) ہے۔ اس کے علاوہ، استحکام (Stability) کا اصول ہے، جو سببیت کا معکوس (Inverse) ہے۔ اصولوں کا یہی وہ مجموعہ ہے جس پر ہم عقلی دلیل کی تعمیر کے دوران بھروسہ کرتے ہیں، اور دلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اصولوں کے تابع ہو اور ان کی خلاف ورزی نہ کرے؛ ورنہ اس دلیل کو غیر عقلی یا عقل کے منافی تصور کیا جائے گا۔

اصول (البدیهيات) ایسے قضیے (propositions) ہیں جو کسی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ عقل ان کے معانی کو سمجھتے ہی فوراً ان کی تصدیق کر لیتی ہے۔ اسی اعتبار سے یہ بنیادی اصول مانے جاتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ مثالوں کے ذریعے ان کی وضاحت اور تشریح کر دی جائے تاکہ ان کی مخصوص اصطلاحات پر اتفاق ہو جائے، نہ کہ انہیں دلیل کے ذریعے ثابت کیا

جائے۔مثال کے طور پر، بطلانِ تناقض کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں: جیسے ایک ہی شے میں "وجود" اور "عدم" (موجود ہونا اور نہ ہونا) کا بیک وقت جمع ہونا محال ہے، یا یہ کہ کوئی ہستی ایک ہی وقت میں زندہ بھی ہو اور مردہ بھی، یا یہ کہ کوئی شے ایک ہی لمحے میں روشن بھی ہو اور تاریک بھی۔ یہ متناقض امور، جن کا ایک ساتھ اکٹھے ہونا ممکن نہیں، ان ناممکنات میں سے ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔ ورنہ حق و باطل برابر ہو جائیں، اور صحیح و غلط ایک ہی چیز بن جائیں، حالانکہ یہ دونوں متضاد ہیں اور ان کا بیک وقت اکٹھے ہونا قطعاً ممکن نہیں۔ اسی طرح ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک شے بیک وقت دو مختلف مقامات پر موجود نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اس وقت میرے سامنے القدس میں موجود ہیں، تو اسی وقت آپ کا دمشق میں موجود ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی باطل ہے کہ کوئی شے بیک وقت محدود بھی ہو اور لا محدود بھی، یا ایک ہی وقت میں عاجز بھی ہو اور قادر بھی، وغیرہ وغیرہ۔

افکار اور عقائد کے باب میں بطلانِ تناقض (تناقض کے باطل ہونے) کے اطلاق کی ایک مثال مسیحیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح (علیہ السلام) خدا کا بیٹا ہے، اور وہ بیک وقت خدا کے ساتھ "ازلی" بھی ہے۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی؛ کیونکہ "بیٹے" کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ پیدا ہوا ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے وجود کے بعد وجود میں آتا ہے، یعنی وہ باپ اس بیٹے کے وجود کا سبب (Cause) ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک مخصوص وقت میں موجود نہیں تھا اور پھر بعد میں وجود میں آیا۔ یہ بات "ازلیت" کے تصور کے بالکل متضاد ہے، کیونکہ ازلی وہ ہوتا ہے جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہ ہو اور اسے کسی نے (اپنے سے پہلے) پیدا نہ کیا ہو۔ چنانچہ عقل اس متناقض دلیل کو مسترد کر دیتی ہے، اور نتیجے کے طور پر اس نظریے پر ایمان لانا ناقابلِ قبول اور غیر عقلی قرار پاتا ہے۔

جہاں تک لامتناہی تسلسل کا بطلان (Infinite Regress کے باطل ہونے) کے اصول کا تعلق ہے، تو اس کی ایک مشہور مثال اس سپاہی کی ہے جو اپنے سامنے موجود ایک شخص پر اپنی رائفل سے گولی چلاتا ہے۔ لیکن (فرض کریں کہ) اس سپاہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذمہ دار افسر سے گولی چلانے کا حکم لے، اور وہ پہلا افسر اپنے سے اعلیٰ عہدے دار سے حکم لے، اور وہ اعلیٰ افسر اس سے بھی برتر کسی شخص سے حکم وصول کرے، اور یہ سلسلہ لامتناہی طور پر پیچھے کی طرف چلتا رہے۔ عقل اس قسم کے لامتناہی تسلسل کو مسترد کرتی ہے۔ چونکہ سپاہی گولی چلا چکا ہے اور وہ سامنے والے شخص کو لگ چکی ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ گولی چلانے کے اس حکم کا آغاز اس کڑی میں موجود کسی نہ کسی ایک فرد سے ہوا ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے، قطعی طور پر باطل اور عقل کے

نزدیک مسترد شدہ ہے؛ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ یہ سلسلہ سپاہی کے گولی چلانے کے لئے اب تک "لامتناہی وقت" کا منتظر ہے، یعنی وہ واقعہ ابھی پیش ہی نہیں آیا، یا پھر یہ کہ یہ کڑی سرے سے موجود ہی نہیں اور بنیادی طور پر غیر مؤثر ہے۔ لیکن چونکہ گولی چلائی جا چکی ہے، اس لئے گولی چلانے کے حکم کا آغاز اس کڑی کے کسی نہ کسی فرد سے ہونا لازم ہے، یا پھر قاتل سپاہی نے کسی حکم کے بغیر اپنی مرضی سے یہ عمل کیا ہے۔ لہٰذا، لامتناہی تسلسل باطل ہے۔

افکار کے دائرے میں لامتناہی تسلسل کا بطلان (Infinite Regress کے باطل ہونے) کے اصول کا ایک اطلاق اس دعوے پر ہوتا ہے کہ وہ خالق جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ ایک "پہلا خالق" ہے، اور اس پہلے خالق کو ایک "دوسرے خالق" نے پیدا کیا، اور دوسرے خالق کو ایک "تیسرے خالق" نے، اور یوں یہ سلسلہ لامتناہی طور پر چلتا رہے گا۔ یہ بات عقلاً ناممکن اور باطل ہے؛ کیونکہ یا تو یہ سلسلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا پھر اس کی قطعاً کوئی منطق نہیں ہے۔ چونکہ کائنات اپنے تمام مظاہر کے ساتھ موجود ہے، اس لئے اسے لازمی طور پر ایک ایسے خالق کی ضرورت ہے جس نے اس کی ابتدا کی ہو، اور اس سلسلے کا حتمی طور پر یہیں ختم ہونا ضروری ہے۔ دوسرے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو بطلانِ تناقض کے اصول کی بنیاد پر یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی چیز بیک وقت "خالق" بھی ہو اور "مخلوق" بھی؛ اسے یا تو خالق ہونا چاہیے یا مخلوق۔ ان دونوں اصولوں (بطلانِ تسلسل اور بطلانِ تناقض) کو یکجا کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خالقوں کا یہ لامتناہی سلسلہ سرے سے موجود ہی نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی منطق بنتی ہے، بلکہ موجودہ حقیقت صرف ایک ہی خالق ہے، جس کا خود "غیر مخلوق" ہونا واجب اور ضروری ہے۔

دوئم: بنیادی امور (الأصليات):

بنیادی امور (الأصليات) سے مراد ایسے معاملات ہیں جو اشیاء کی حقیقت یا ان کی ابتدائی حالت میں مضمر ہوتے ہیں۔ یہ ایسے معاملات ہیں جو اشیاء کی فطرت اور ان کی کیفیت میں متعین ہوتے ہیں، اور یہ ضروری نہیں کہ آغاز میں ہی عقل میں موجود ہوں۔

استصحاب الأصل (Presumption of Continuity) کا قاعدہ، علمِ اصولِ فقہ کا ایک معروف قاعدہ ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی تبدیلی کی دلیل نہ مل جائے، چیزوں کو ان کی اصل حالت پر برقرار سمجھا جائے گا)۔

بنیادی امور (الأصلیات) کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ جس چیز کو ثبوت اور برہان کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کی "ضد" یعنی اس کی مخالف حالت ہے؛ یعنی کسی چیز کا اپنی اصل حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں تبدیل ہونا دلیل کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ جب ہم چیزوں کے وجود، ان کی صفات اور ان کی حالتوں کے بارے میں تحقیق اور استدلال کرتے ہیں، تو ہمارا مرجع (Reference Point) یہی بنیادی امور (الأصلیات) ہوتے ہیں۔ معاملات کا ان کی اصل حالت کی کیفیت سے منسوب کرنا متعین اور غیر متنازع ہوتا ہے، کیونکہ عقل میں اس اصل کے برعکس کسی حالت کا حقائق پر مبنی تصور بلاشبہ قطعی طور پر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ، بنیادی امور (الأصلیات) کو ثابت کرنے کے لئے محض ایسی مثالیں فراہم کر دینا کافی ہے جو اس "قطعی طور پر مسترد شدہ متضاد حالت" کا تصور واضح کرتے ہوں۔

بنیادی امور (الأصلیات) کے قواعد میں درج ذیل شامل ہیں:

1- ٹھوس مادی اشیاء کی "اصل ابتدائی" حالت ان کا عدم (غیر موجود ہونا) ہے؛ لہٰذا ان اشیاء کے وجود کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

2- اشیاء میں "اصل ابتدائی حالت" یہ ہے کہ وہ ساکن اور غیر متبدل (نہ بدلنے والی) ہوتی ہیں، اور وہ فطرتاً تبدیلی کے خلاف مزاحمت کرتی ہیں۔ اسے استحکام کا اصول (مبدأ الاستقرار) کہا جاتا ہے۔

3- اشیاء کا اپنی حالتِ استحکام اور جمود (Inertia) سے نکلنا صرف اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب ان پر کوئی ایسی مؤثر سببی قوت (Causal Energy) اثر انداز ہو جو ان کی حالتوں کو تبدیل کرنے کا کام کرے۔

4- اشیاء کی حرکت میں اصل قاعدہ "انتشار اور بے ترتیبی" (Chaos/Randomness) ہے۔ یہ اشیاء خود بخود منظم نہیں ہوتیں بلکہ کوئی بیرونی قوت ہی انہیں مجبور کرتی ہے۔ وہ "منظم قوت" ہی ہوتی ہے جو مختلف اجزاء کے درمیان روابط اور تعلقات پیدا کر کے "سببی نظام" (Causal Systems) کو وجود میں لاتی ہے۔ یہ بیرونی قوت ایک مخصوص پیٹرن یا

ترتیب پیدا کرنے کے لئے توانائی صرف کرتی ہے تاکہ وہ اجزاء ایک مخصوص بامقصد کام (Purposed Function) کو پورا کر سکیں۔

5- اشیاء میں "اصل ابتدائی" حالت ان کا بے جان ہونا ہے، یعنی زندگی کا نہ ہونا۔ جاندار اشیاء کو اپنے اندر زندگی پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے ایک "سبب" (Cause) کی ضرورت ہوتی ہے۔ جاندار اشیاء میں موجود زندگی ایک عارضی اور ابھرنے والی (Emergent) حالت ہے، اور ان کا اپنی اصل حالت ـــ یعنی بے جان ہونے یا موت ـــ کی طرف لوٹ جانا ناگزیر ہے۔

6- انسانی ذہن میں "اصل ابتدائی" حالت لاعلمی یا جہالت کی ہے؛ اور علم اس پر وارد ہونے والی ایک بیرونی یا عارضی چیز ہے۔ چنانچہ اسے علم حاصل کرنے کے لئے محنت و کوشش سے اسے پانے اور دوسروں سے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

7- حیوانی دماغ میں "اصل ابتدائی" حالت تمیز کرنے والی عقل، فکر، ذہانت اور شعوری ربط کا فقدان ہے؛ حیوان کا رویہ محض جبلتی امتیاز (Instinctual Discrimination) کا نتیجہ ہوتا ہے جو فکری تصورات سے خالی ہوتا ہے۔

8- انسان کے بارے میں "اصل ابتدائی" قاعدہ اس کا معصوم (بے گناہ) ہونا ہے؛ کسی بھی مخصوص فعل کے ارتکاب کا الزام، خواہ وہ منفی ہو یا مثبت، دلیل اور ثبوت کا تقاضا کرتا ہے۔

لازمی عناصر (الأصليات) عقلی اصولوں (البديهيات) سے مشابہت رکھتے ہیں، سوائے اس کے کہ لازمی عناصر اشیاء کی فطرت اور ان کی کیفیت میں موجود ہوتے ہیں جبکہ عقلی اصولوں میں یہ معاملہ نہیں ہوتا، یہاں ایک باریک منطقی فرق ہے؛ یعنی لازمی عناصر (الأصليات)، یہ مادی دنیا کی چیزوں کے وہ حقائق ہیں جو ہم مشاہدے سے جانتے ہیں، جیسے یہ حقیقت کہ مادہ خود بخود پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ عقلی اصول (البدہیات)، یہ عقل کے اپنے اندرونی قوانین ہیں، جیسے یہ ماننا کہ ایک ہی وقت میں ایک چیز موجود اور غیر موجود نہیں ہو سکتی)۔ لازمی عناصر (الأصليات) کی اہمیت اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ یہ بعض ان دلائل کے کمزور پہلو بند کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں جن کے ذریعے بعض لوگ شواہد کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، متعدد کائناتوں (multiverse) کا نظریہ ایک ایسا ہی "کمزور پہلو" ہے جس کے ذریعے بعض ملحد ماہرینِ فلکیات اس ضرورت کو ختم کرنے کی

کوشش کرتے ہیں کہ اس انتہائی منظم کائنات کے لئے کسی منظم کرنے والے خالق کی ضرورت ہے۔ اس کمزور پہلو کو اس قاعدے کے ذریعے بند کیا جاتا ہے کہ: "اشیاء میں اصل حالت عدم (ناپید ہونا) ہے، جب تک کہ ان کا وجود قطعی طور پر ثابت نہ ہو جائے"۔ چنانچہ، جو کوئی بھی اس کائنات کے علاوہ (جس کا ہم ادراک کرتے ہیں) دوسری کائناتوں کے وجود کا دعویٰ کرتا ہے، اسے ان کے وجود کو قطعی دلیل سے ثابت کرنا ہوگا، کیونکہ یہ دعویٰ "اصل ابتدائی حالت" کے برخلاف ہے۔ اور اگر وہ دلیل فراہم نہیں کرتا، تو اس کا دعویٰ باطل ہے، اور ان مبینہ دوسری کائناتوں کے وجود کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

اسی طرح، یہ باطل دعویٰ کہ انسانی عقل کی اصل ابتدائی حالت "باعلم ہونا" ہے نہ کہ "لاعلمی یا جہالت"۔ اگر یہ دعویٰ درست ہوتا تو ہر انسان عالم پیدا ہوتا اور اسے سیکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جسے عقل مکمل طور پر مسترد کرتی ہے، اور یہ قطعی طور پر حقیقت کے منافی ہے، اور اسی طرح کے دیگر معاملات بھی اسی قاعدے کے تحت آتے ہیں۔

یوں بنیادی امور (الاصلیات) کے اصول کو استعمال کرتے ہوئے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو اس قاعدے کے ذریعے مسترد کیا جاتا ہے کہ "اشیاء کی حرکت میں اصل ابتدائی حالت "انتشار اور بے ترتیبی" ہے۔ وہ خود بخود منظم نہیں ہوتیں جب تک کہ کوئی قوت انہیں اس پر مجبور نہ کرے"۔ اس کی تائید قانونِ بے ترتیبی (Entropy) یا حرارت کے دوسرے قانون (Second Law of Thermodynamics) سے بھی ہوتی ہے، (قانونِ اینٹروپی (Entropy) کسی سسٹم میں بے ترتیبی کا پیمانہ یعنی یہ کہ کوئی سسٹم ہمیشہ اپنی موجودہ ترتیب کی حالت سے بگاڑ کی طرف جانے کا میلان رکھتا ہے اور یہ کہ منظم کئے جانے کا عمل یقیناً ناقابل واپسی ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ ایک عمارت وقت کے ساتھ ملبے کا ڈھیر تو بن سکتی ہے، لیکن ملبہ خود بخود عمارت نہیں بن سکتا۔) لہٰذا، ڈارون کا نظریہ ارتقاء، اور ارتقاء کے دیگر مبینہ نظریات جیسے مارکس کا "نظریہ ارتقائے تاریخ"، بنیادی امور (الاصلیات) اور قانونِ اینٹروپی (Entropy) سے قطعی طور پر متضاد ہیں۔ نتیجتاً، اشیاء میں اصل ابتدائی حالت "خودکار تنظیم" کا نہ ہونا ہے؛ جس کا مطلب یہ ہے کہ مبینہ ارتقاء (نیچے سے اوپر کی طرف جانا) فطری عمل کے برعکس اور الٹ ہے۔ اگر اشیاء میں اصل حالت یہ ہوتی کہ وہ خود بخود منظم ہو گئی ہیں، تو ہمیں کائنات میں کوئی بھی مادہ بے ترتیب حالت میں نہ ملتا۔ چنانچہ، ہمارے اردگرد موجود بعض اشیاء میں بے مقصدیت اور بے ترتیب واقعات کا پایا جانا — جیسے قدرتی عوامل کے اثرات — ان ارتقاء پسندوں کے استدلال کو منہدم کر دیتا ہے اور حرکت میں "بے ترتیبی کی اصل حالت" کو ثابت کر دیتا ہے۔

بنیادی امور (الاصلیات) میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ "ثبوت کی ذمہ داری دعویٰ کرنے والے پر ہوتی ہے"۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے بچوں کا باپ ہونے کا دعویٰ کرے لیکن اسے ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہ لائے۔ ثبوت کی عدم موجودگی کی صورت میں، ہم "اصل حالت" کے حکم کی طرف رجوع کریں گے، جو کہ عدم (ناپید ہونا) ہے — یعنی اصل ابتدائی حالت یہ ہے کہ ابتدا میں کسی بھی مرد کی بیویاں یا بچے نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس حالت کا محض تصور کرنا ہی — یعنی یہ فرض کر لینا کہ تمام مردوں کے شروع ہی سے بیویاں اور بچے ہوتے ہیں — تو یہ تصور حقیقت اور عقل کے منافی ہے۔ لہٰذا، دعویٰ کرنے والے سے ثبوت طلب کیا جائے گا، اور کافی ثبوت یا دلیل پیش کئے بغیر دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ تاہم، یہ معاملہ "پدریت (والد ہونے)" کی دوسری صورت سے مختلف ہے، کیونکہ بچے کا موجود ہونا خود اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس کے دو والدین (ماں باپ) موجود ہیں؛ کیونکہ بچہ ایک حقیقت کے طور پر موجود ہے اور اس کا وجود لازمی طور پر ایک "سبب" (Cause) کا تقاضا کرتا ہے۔

سوئم: سببیت (السببية):

سببیت کو مذکورہ بالا عقلی اصولوں (البديهيات) کا حصہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کی ایک دوسری قسم بھی ہے، جسے واقعاتی یا فطری سببیت (Realistic or Natural Causality) کہا جاتا ہے۔ یہ فطری سببیت، عقلی سببیت کے ساتھ مکمل طور پر موافقت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو سببیت کے نظام پر پیدا فرمایا اور عقل کو تخلیق کر کے اس کے اندر سببی ربط کی صلاحیت رکھ دی۔ چنانچہ، ان دونوں (کائنات کے نظام اور انسانی عقل) کے درمیان مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔

تاہم، فطری سببیت اپنی کچھ تفصیلات اور معیارات رکھتی ہے جن کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ سبب اور مسبب (Cause and Effect) کے درمیان پایا جانے والا ربط درست اور منظم رہے۔ اس کی تین اقسام ہیں: سادہ سببیت (السببية البسيطة)، سببی نظام (النظام السببي)، اور انسانی سببیت (السببية الإنسانية)۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

سادہ سببیت (السببية البسيطة):

اشیاء اپنی اس حالتِ استحکام میں ہونے والی کسی بھی تبدیلی کی مزاحمت کرتی ہیں جس حالت میں وہ موجود ہوتی ہیں۔ اور ایسا کوئی تبدیل کرنے والا عنصر جو ان اشیاء کی موجودہ کیفیت اور حالت کو بدل سکتا ہے، وہی "سبب" کہلاتا ہے۔ یہ تبدیلی اس وقت رونما ہوتی

ہے جب وہ (سبب) ایک مخصوص لمحے میں ایک ایسی موثر قوت حاصل کرلے، جس کے ذریعے وہ ایسی اشیاء کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرسکے جو اثر قبول کرنے کی صلاحیت (یعنی مناسب خصوصیات) رکھتی ہوں۔ کسی سبب کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان دیگر عوامل کے ساتھ تعاون شامل ہو جو اثر ڈالنے میں اس کی مدد کرتے ہیں، اور یہ عوامل "شرائط" کہلاتے ہیں۔ سببی اثر کے اس عمل کے بعد لازمی طور پر اس کا نتیجہ یعنی "اثر" ظاہر ہوتا ہے۔ علتی اثر کی بنیاد سببی قوت کا وجود ہونا ہے، اور اس قوت کے ختم ہوجانے سے سبب کا اثر بھی رک جاتا ہے، جبکہ "شرط" کے معاملے میں (قوت کا ہونا اور ختم ہونا) ضروری نہیں ہے۔

سببی نظام (النظام السببي):

کوئی بھی ایک سسٹم اجزاء کے ایک ایسے مجموعے اور روابط پر مشتمل ہوتا ہے جو ان اجزاء کو ایک پروگرامنگ کے مطابق مخصوص اور منظم طریقے سے یکجا کرتے ہیں تاکہ مطلوبہ مقصد حاصل ہوجائے یا مطلوبہ کام انجام دے۔ اشیاء فطرتاً نظم و ضبط اور پابندی سے آزاد ہونے کی طرف مائل ہوتی ہیں اور ان کا جھکاؤ انتشار اور بے ترتیبی کی طرف ہوتا ہے۔ نتیجے کے طور پر، وہ منظم ہونے اور باہمی روابط بنانے کے لئے آپس میں خودبخود تعاون نہیں کرتیں۔ لہٰذا کسی نظام کے وجود کے لئے ابتدا ہی سے ایک ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے جو اس کے اجزاء کو جمع کرے، ان کے درمیان ربط قائم کرے، اور انہیں اس مقصد کے مطابق ترتیب دے جس کے لئے اس کے ڈیزائنر نے اسے بنایا ہو۔ جیسا کہ ایک عمارت ایک سسٹم ہوتی ہے، ایک میز ایک سسٹم ہے، پانی کے نکاس کی نالی ایک سسٹم ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک سببی نظام (Causal System) کا تعلق ہے، تو یہ ایک عام ساکن نظام سے اس بنیاد پر ممتاز ہوتا ہے کہ یہ اپنے اندر ایک موثر سببی قوت رکھتا ہے، ایک مخصوص عمل سرانجام دیتا ہے، اور کسی دوسری چیز میں تبدیلی کا سبب بنتا ہے۔ اس کی مثالوں میں میکانی نظام جیسے کار اور ریفریجریٹر، اور حیاتیاتی نظام جیسے انسانی جسم شامل ہیں۔

میں نے ایک ایسے نکتہ چینی کرنے والے شخص سے، جس کا رجحان الحاد کی طرف تھا، ایک سوال پوچھا: "تم اس بات پر یقین کیوں نہیں کرسکتے کہ فطرت خودبخود ایک میز یا کار پیدا کرسکتی ہے یا یہ کہ ارتقاء کے ذریعے یہ اشیاء خودبخود بن جائیں؟"، وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا، تاہم اس نے مجھ سے یہ اتفاق کیا کہ ایسا ہونا عقلی طور پر ناممکن ہے، مگر وہ اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ وہ اسباب یا فطری عوامل جو فطرت میں اپنا عمل دکھاتے ہیں — جیسے ہوا، بارش، سورج کی روشنی، زمین کی کششِ ثقل،

سمندر کی لہریں، آتش فشاں، زلزلے، ہوا کا دباؤ اور حرارت وغیرہ—وہ خود سے کوئی نظام تخلیق نہیں کرسکتے۔ بلکہ اس کے برعکس، ان کا اثر بے ترتیب (Random) ہوتا ہے، اور وہ بنیادی طور پر پہلے سے موجود نظاموں میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

نیز یہ کہ حرارت کے قوانین کے اندر بے ترتیبی (Entropy) کا قانون موجود ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمام نظام بے ترتیبی کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ کہ اس کے برعکس۔ چنانچہ، پتھروں کا ایک مجموعہ کبھی بھی خود بخود آپس میں نہیں مل سکتا اور کسی خاص مقصد کے لئے ایک منظم اور باہم مربوط نظام بنانے پر مجتمع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے عین برعکس حقیقت یہ ہے کہ نظام خود کو حدود اور روابط سے آزاد کرنے اور بکھرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا، یہ ثابت کرنا کہ کائنات، انسانیت اور زندگی میں مکمل اور شاہکار نظام موجود ہیں—خاص طور پر سببی نظام (Causal Systems)—تو یہ اس کائنات کے لئے ایک ڈیزائنر (صانع) اور مقصدیت (الغائية) کے وجود کو ثابت کرنے کے اہم ترین ستونوں میں سے ایک ہے۔

انسانی سببیت (السببية الإنسانية) :

فطری سببیت اور انسانوں کے افعال و کردار سے متعلق سببیت کے درمیان ایک واضح فرق موجود ہے، اور اس کی وجہ نوعِ انسان میں مرضی یا انتخاب کی آزادی کا پایا جانا ہے۔ انسانی وجود کے دو پہلو ہیں: ایک مادی یا جسمانی پہلو اور دوسرا فکری و عقلی پہلو۔ جسمانی پہلو ایک مادی حقیقت ہے جو دیگر جانداروں کے معاملے کے ساتھ مشترک ہے۔ یہ ایک "سببی نظام" (Causal System) ہے جو مختلف اعضاء اور حیاتیاتی نظاموں جیسے نظامِ ہاضمہ، نظامِ اعصاب وغیرہ پر مشتمل ہے۔ رہی بات عقلی و معنوی پہلو کی، تو انسان میں غور و فکر (سوچنے) کی خاصیت موجود ہوتی ہے؛ یعنی اس بات کی صلاحیت کہ وہ حواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس کیے جانے والے بیرونی حقائق کو اپنی سابقہ معلومات کے ساتھ جوڑے، اور پھر اس معاملہ کا ادراک کرے، یعنی ان کی تشریح کرے اور انہیں کوئی معنی دے۔

انسانی افعال 'موثر اسباب' ہیں، جو انسان کی فطری جسمانی قوت اور عقلی قوت یعنی تصورات کے باہمی ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی سبب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جذباتی اور فطری جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ عقل کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ عقل ہی ان تصورات کی حامل ہوتی ہے جو اس جسمانی قوت کی سمت متعین کرتے ہیں۔ چنانچہ، 'انسانی سبب' وہ عمل ہے جو ایک انسان کسی خاص معاملے پر اثر انداز ہونے اور اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کے لئے انجام دیتا ہے۔ اس عمل کا تعین عقل

اپنی 'پسند اور ارادے'(Choice and Will) کے ذریعے کرتی ہے، جس کی بنیاد وہ تصورات ہوتے ہیں جو اس عمل کے کرنے یا نہ کرنے میں اس عمل کے مفاد سے متعلق عقل میں موجود ہوتے ہیں۔

چہارم: تلازمِ صفات(Concomitance of Attributes):

اشیاء کے درمیان بہت سے لازمی اور باہمی تعلقات پائے جاتے ہیں، اور یہاں ہمارا تعلق اشیاء کی صفات کے باہمی تلازم سے ہے۔ تلازم سے مراد ایسا تعلق ہے جہاں ایک صفت کا ہونا دوسری صفت کے وجود کو لازم کر دے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی چیز "منظم" ہے، تو اس کے پیچھے ایک "منظم کرنے والے"(Organizer) کی صفت کا ہونا لازم ہے۔ یہ تلازم ان امور میں سے ہے جنہیں دلائل پیش کرنے سے پہلے ثابت کرنا ضروری ہے، اور اس طرح یہ استدلال کے لئے لازمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق کے لئے عقل سے ثابت شدہ بعض صفات تک رسائی دراصل محسوس اشیاء کی دیگر صفات سے اخذ کردہ نتائج پر مبنی ہوتی ہے۔ اشیاء کی یہ صفات ان کی دیگر محسوس صفات سے لی گئی ہوتی ہیں۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خالق کی عقلی صفات کی اصل، مخلوق کی صفات کی ضد(Opposites) تک پہنچتی ہے۔

اشیاء کے لئے "تلازمِ صفات" سے مراد یہ ہے کہ چیزیں متعدد صفات کی حامل ہوتی ہیں، جن میں سے کچھ براہِ راست محسوس کی جاسکتی ہیں اور کچھ پوشیدہ یا ان کی ماہیئت ناواقف ہوتی ہیں۔ تلازمِ صفات کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی مخصوص شے کی ایک نامعلوم صفت کو اس کی دوسری معلوم صفت یا دو معلوم صفات سے اخذ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ آپس میں جڑی ہوئی یا لازم وملزوم ہوں۔ اور یہ تلازم ان دونوں صفات کے درمیان پائے جانے والے اس یقینی مادی تعلق یا ملاپ سے ثابت ہوتا ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو۔ یہ قطعی تلازماتی تعلق دو چیزوں کے درمیان مکمل استقراء یا مستقل وابستگی کے ذریعے قائم ہوتا ہے، اور اسی طرح یہ سببی یا شرطی تلازم، یا کسی ایسی مشترکہ صفت کے ذریعے بھی قائم ہوتا ہے جو ان دونوں کو جمع کر دے، یا پھر تسلسل اور ترتیب وغیرہ کے ذریعے بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔

استقراء(Induction) دو چیزوں کے درمیان مستقل لازم وملزوم ہونے (یعنی تلازم) پر دلالت کرتا ہے، اور اسی مستقل تعلق سے ان کے درمیان ایک استدلالی ربط پیدا ہوتا ہے۔ استقراء کے طریقے کو استعمال کرتے ہوئے اشیاء کی مخصوص صفات کا ثبوت فراہم کیا جاتا ہے۔ تاہم، اس استقرائی طریقے میں ایک مسئلہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کا انحصار کلّی استقراء(Complete induction) یعنی

تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کے بجائے "استقراءِ ناقص" (Incomplete induction) یعنی بعض جزئیات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے پر ہوتا ہے۔ کلّی استقراء کا تقاضا ہے کہ ان تمام جزئیات کا انفرادی طور پر ایک ایک کر کے مشاہدہ اور ادراک کیا جائے جن کا ہم ادراک کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان میں کسی مخصوص صفت کے پائے جانے کے تلازم کو ثابت کیا جا سکے۔ بہر حال اس نوعیت کا یہ استقراء کرنا عملی طور پر ناممکن ہے۔ تاہم، اشیاء کی "بنیادی حالتوں" —یعنی اشیاء کی ماہیئت میں موجود کسی ثابت صفت یا خصوصیت — پر انحصار کرتے ہوئے ادراک کی عمومیت کے لئے استقراءِ ناقص کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح، اس صفت کو عمومی جانتے ہوئے ادراک کیا جاتا ہے اور استقراءِ ناقص "کلّی استقراء" کو مکمل استقراء کی جگہ کافی سمجھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر، لکڑی کے جلنے کی صلاحیت کو ثابت کرنے کے لئے دنیا کی تمام لکڑیوں کو جلانا ضروری نہیں ہے۔ اس کے بجائے، لکڑی کے چند ٹکڑوں کو جلا کر تجربہ کرنا اور پھر یہ عمومی قاعدہ بیان کر دینا کافی ہے کہ 'تمام لکڑیاں جلتی ہیں'۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ جلنے کی صلاحیت اس کی ماہیت میں موجود ایک خاصیت ہے، اور اگر یہ نہ جلے تو یہ لکڑی نہیں رہے گی۔ یہ صفت لکڑی کی ان لازمی صفات یا پوشیدہ خصوصیات میں سے ہے جو اس سے کبھی بھی مطلق طور پر الگ نہیں ہوتیں۔ چنانچہ، استقراءِ ناقص کو تجرباتی مشاہدے اور حسی ادراک کے ذریعے تسلیم کرنے پر کافی سمجھا جاتا ہے، جس کا انحصار مشاہدہ شدہ مظاہر اور اشیاء کی خصوصیات میں شامل ان کے لازمی تلازم (concomitant relationship) پر ہوتا ہے۔

تاہم، اس قسم کا استقراء ان صفات کو ثابت نہیں کرتا جو عارضی ہوں اور مستقل نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص کسی جزیرے پر پلا بڑھا ہو اور وہاں اس نے یہی دیکھا ہو کہ تمام بطخوں کے پر سفید تھے، تو وہ اپنے اس محدود استقراء کی بنیاد پر یہ عمومی نتیجہ نکالے گا کہ تمام بطخوں کے پر سفید ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس جزیرے سے باہر کا سفر کرے اور اسے سیاہ پروں والی کوئی بطخ مل جائے، تو اسے احساس ہو گا کہ اس کا سابقہ ادراک غلط تھا کیونکہ وہ استقراءِ ناقص پر مبنی تھا۔ اس نے اپنے فیصلے کی بنیاد بطخ کے پروں کے رنگ پر رکھی تھی، جو کہ ایک عارضی صفت ہے، نہ کہ کوئی لازمی یا مستقل صفت، اور اشیاء میں ایسی صفات میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ، اس کے لیے زیادہ درست بات یہ ہو گی کہ وہ کہے کہ ان جگہوں پر جہاں اس نے تحقیق کی، اس کے مشاہدے کے مطابق بطخوں کا رنگ سفید پایا گیا؛ بشرطیکہ وہ اپنے اس ادراک کو دیگر رنگوں کی بطخوں کے وجود کی نفی کے لئے عمومی نہ کر دے، کیونکہ دوسرے رنگوں کی بطخوں کا وجود ہونے میں کوئی شے مانع نہیں ہے۔

جہاں تک دو چیزوں کے درمیان سببی تلازم یعنی اثر اور محرک کے باہمی تعلق کا تعلق ہے، تو یہ اس سببی تعلق کے ذریعے پایا جاتا ہے جو سبب کو نتیجے کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اسی طرح شرط اور سبب کے درمیان شرطی تلازم پایا جاتا ہے تاکہ نتیجہ برآمد ہو سکے۔ مثال کے طور پر اگر آپ اندھیرے میں کسی کے بولنے کی آواز سنیں، تو یہ یقینی طور پر ایک زندہ انسان کی موجودگی پر دلالت کرتی ہے جس سے وہ آواز سنائی دی ہے، کیونکہ اثر (آواز) حتمی طور پر محرک (انسان) کے وجود کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسی طرح دھوئیں اور آگ کے درمیان ایک سببی تلازم ہے، کیونکہ آگ دھوئیں کے وجود کا سبب ہے اور دھواں اسی کا نتیجہ ہے۔ اور اسی طرح زمین پر قدموں کے نشانات اور اس جاندار کے درمیان بھی تلازم پایا جاتا ہے جو ان پر چل کر گزرا ہو۔ رہی بات شرطی تلازم کی، تو اس کی مثال آگ اور آکسیجن کے درمیان وہ تعلق ہے جو جلنے کے عمل کے لئے ضروری ہے۔ اگر آکسیجن ختم ہو جائے تو سبب (آگ) اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، آکسیجن نہ ہوگی تو نہ جلنے کا عمل ہوگا اور نہ ہی دھواں پیدا ہوگا، کیونکہ آکسیجن جلنے کے لئے ایک لازمی شرط یا لازمی پہلو ہے۔

جہاں تک دو امور کے درمیان ایک کے بعد اگلے کے آنے کا تعلق ہے، تو اس کی مثال دن کے بعد رات کا آنا ہے، اور والدین کے بعد بچوں کا وجود میں آنا ہے۔ ایک کے بعد اگلے آنے والے تلازم میں ایک 'ترتیب' بھی ہے، جیسے دو کے بعد تین کا آنا، اور ترتیب میں چار کے بعد پانچ کا آنا، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مستقل خود مختار وجود یا تابع وجود سے متعلق صفات کا تلازم (Concomitant of Attributes):

صفات کے تلازم Concomitant of Attributes پر تحقیق کرتے وقت، اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ کچھ اشیاء کی اپنی مخصوص صفات ہوتی ہیں، جبکہ کچھ ایسی عمومی اور مشترکہ صفات ہوتی ہیں جو تمام اشیاء کا احاطہ کرتی ہیں۔ جب ہم استقراء (Induction) کے ذریعے کسی عمومی نتیجے تک پہنچنا چاہتے ہیں، تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اشیاء کی مخصوص صفات کے بجائے ان کی عام صفات کو بنیاد بنائیں؛ کیونکہ مقصد کائنات اور اشیاء کی حقیقت کو پرکھ کر اس بنیادی سوال کا جواب حاصل کرنا ہے کہ آیا محسوس اشیاء کا وجود مستقل اور خود مختار ہے یا ان کا وجود کسی دوسرے پر منحصر ہے؟ اور بنیادی تحقیق موجودات کی اصل (ابتداء) کے بارے

میں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ 'اصل' کا وجود مستقل ہونا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے کے تابع۔ اسی 'اصل' کو تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ مستقل وجود رکھنے والی ہستی اور تابع وجود رکھنے والی اشیاء کے درمیان فرق واضح ہو سکے۔

تاہم، یہ صفت —یعنی اشیاء میں ان کی اپنی خود مختاری (استقلال independently existent) اور دوسروں پر منحصر ہونا—براہِ راست حواس کے ذریعے محسوس نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس حقیقت تک دیگر محسوس صفات کے ذریعے پہنچا جائے جو اس کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ وجود میں اس کی خود مختاری (استقلال) اس بات کی متقاضی ہے کہ ایسی صفات موجود ہوں جو اس خود مختاری کے ساتھ جڑی ہوں۔ ان کا اشیاء میں ہونا لازم ہے۔ ہم ان صفات کو تلاش کریں گے، اور اگر وہ ہمیں مل جائیں تو ہم مستقل وجود کے ساتھ جڑی صفت کے پائے جانے کا فیصلہ کریں گے۔ اور اگر ہمیں خود انحصاری کے برعکس صفات ملیں —یعنی کسی دوسرے پر منحصر ہونا—تو ہم منحصر ہونے کی صفات کے ثبوت سے ادراک کریں گے۔

صفات کا وہ تلازم جس کی ہم یہاں تحقیق کر رہے ہیں، اس میں صفات کے ایک ایسے مجموعے کی تلاش شامل ہے جو 'خود انحصاری' کے ساتھ لازم و ملزوم ہو، اور صفات کا دوسرا مجموعہ جو اس کے برعکس یعنی 'منحصر ہونے' کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ جب ہم اشیاء کی عام صفات کو تلاش کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی صفات کے حامل ہونے میں شریک ہیں جو ایک دوسرے سے منسلک ہوتی ہیں اور مل کر ایک ایسے وجود کی صفات بناتی ہیں جو کسی دوسرے پر منحصر ہوتا ہے، جیسے کہ نقص اور عجز۔ ان صفات میں لاعلمی، کمزوری، نقائص، ضرورت اور محدودیت ہونا شامل ہیں۔ یہ تمام وہ مشترکہ صفات ہیں جو منحصر وجود (یعنی، مخلوق) کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اس کے برعکس، ان صفات کے الٹ وہ صفات ہیں جو 'ذاتی طور پر مستقل اور خود مختار' وجود کی ہیں، اور وہ خود مختاری کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، جیسے کہ کمال، ابدیت، قدرتِ مطلقہ، کسی کا محتاج نہ ہونا، سب کا احاطہ کئے ہوئے علم ہونا، ارادہِ مطلق، ربوبیت اور دیگر صفات کا پایا جانا۔

اس بات پر توجہ دینا بھی ضروری ہے کہ کچھ صفات ایسی بھی ہیں جو مستقل وجود رکھنے والی ہستی اور تابع و محتاج موجودات، یا کامل وجود اور ناقص وجود، دونوں میں مشترک نام کے ساتھ پائی جاتی ہیں؛ جیسے کہ وجود، ارادہ، زندگی اور علم کی صفات۔ تاہم، صفت کی نوعیت کے لحاظ سے کامل صفت اور ناقص صفت کے درمیان فرق موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ کامل کو حواس کے ذریعے محسوس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ہم عقل کے ذریعے اللہ کی غیبی صفات کی نوعیت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے بجائے، ہم صفت کی

موجودگی اور اس کے عمومی معنی کا ادراک یا تو عقل کے ذریعے کریں گے، اگر وہ قابلِ فہم ہو، یا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات اور صفات کے بارے میں قطعی دلائل کے ساتھ بھیجی گئی وحی کے ذریعے کریں گے۔ ہم پر واجب ہے کہ اللہ کی صفات کے بارے میں دی گئی الہامی خبر کو ویسا ہی تسلیم کریں جیسا کہ وہ وارد ہوئی ہے، لیکن اس میں خالق اور انسانوں کے مابین موازنہ نہیں کرنا چاہیے، چاہے ان صفات کے نام ایک جیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ انسان صرف ان صفات کے معنی کا ادراک محسوس مخلوقات کی حد تک ہی کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، انسان سیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسے 'علم والا' کہا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی 'علم رکھنے والا' ہے، لیکن اللہ کے علم کی حقیقی نوعیت اور اس کی وسعت انسانوں کے علم میں نہیں ہے۔ اس لئے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی موازنہ ہو ہی نہیں سکتا۔

خالق کے وجود کے استدلال کے لئے الاستقلالية independently existent اور التابعية dependent تلازم صفات کی اہمیت:

جب ہم ادراک کی جانے والی محسوس اشیاء کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں، تو ہم ان میں پائی جانے والی ایسی عام اور مشترک صفات کو تلاش کرتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں اور کبھی جدا نہ ہوں۔ تاکہ اس تلازم کے ذریعے یہ حکم لگایا جا سکے کہ ان کا وجود مستقل اور خود مختار ہے یا تابع۔ مثال کے طور پر جب ہم کائنات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجرامِ فلکی کے ایک مجموعے پر مشتمل ہے، اور ان میں سے ہر جرمِ فلکی خود کئی اجزاء اور عناصر پر مشتمل ہے جو باہم مربوط ہیں۔ یہ مشاہدہ حصوں سے مل کر بننے والی ترکیب (composition) کی صفت کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے، اور یہ صفت ایک ڈیزائن کردہ نظام (designed system) کے وجود کو ظاہر کرتی ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ اشیاء کی اصل حالت بے ترتیبی کی ہوتی ہے، اور وہ کسی دوسرے کی مداخلت کے بغیر خود کو منظم نہیں کرتیں۔ اگر ہم کسی ایسی مرکب چیز کو دیکھیں جو ایک ترتیب سے جڑے ہوئے حصوں سے بنی ہو اور پھر وہ ایک مخصوص عمل یا کام انجام دے، تو ہم حتمی طور پر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ ایک ڈیزائن کردہ نظام ہے۔

اسی طرح جب ہم کائنات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا ہر جرمِ فلکی محدود ہے۔ کائنات میں "محدودیت" کی صفت کا پایا جانا ایک دوسری صفت کے ساتھ لازم و ملزوم اور منسلک ہے، جو کہ عاجز ہونا ہے۔ ایک عاجز شے کسی چیز کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتی، اور وہ بدرجہ اولیٰ خود کو وجود بخشنے سے بھی قاصر ہوتی ہے؛ چنانچہ وہ (اپنے وجود کے لئے) کسی ایسی ہستی کی محتاج ہوتی ہے جو اسے وجود میں لائے، اور یوں وہ ایک "مخلوق" بنتی ہے۔ لہٰذا، عجز ایک ایسی صفت ہے جو "مخلوق ہونے" کی صفت

کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، جو ہمیں اس نتیجے تک پہنچاتی ہے کہ کائنات کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ "مخلوق" ہے۔ یہ صفت کائنات کے اپنے وجود میں خود مختار نہ ہونے کی نشاندہی کرتی ہے؛ یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ کائنات اپنے وجود میں کسی دوسرے کی محتاج ہے۔

یہاں ہم نے اشیاء کی تحقیق اور معائنہ کیا ہے، اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ جڑی ہوئی ایسی مشترکہ صفات رکھتی ہیں جیسے کہ محتاجی کی صفت اور محدودیت کی صفت۔ پھر ہم نے ان صفات کے وجود سے ان کے ساتھ لازم وملزوم دیگر صفات کا استنباط کیا ہے، جیسے کہ عجز، اور عدم کے بعد وجود میں آنا، یعنی ان کا مخلوق ہونا۔ مزید یہ کہ اشیاء میں ان صفات کے پائے جانے سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے وجود میں خود مختار نہیں ہیں — یعنی وہ بذاتِ خود قائم (self-existent) نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا بنیادی اصولوں کے مطابق ان کی اصل ابتدائی حالت 'عدم' (کچھ نہ ہونا) ہی ہے؛ اور یہ قاعدہ ہے کہ اشیاء کی اصل حالت عدم ہوتی ہے جب تک کہ ان کے وجود کا ثبوت نہ مل جائے۔ چونکہ ان اشیاء کا وجود حس اور مشاہدے سے ثابت ہوتا ہے، اس لئے یہ ثابت ہوا کہ ان کا وجود کسی دوسرے کے وجود پر منحصر ہے اور وہ خود سے مستقل اور خود مختار نہیں ہے۔ اور قانونِ اسباب کو استعمال کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے وجود کے لئے لازمی طور پر ایک ایسی ہستی درکار ہے جو انہیں وجود میں لانے کا سبب بنی ہو؛ یعنی وہ عدم کے بعد پیدا کیے گئے ہیں، اور وہ کسی ایسے کے محتاج ہیں جو انہیں وجود میں لائے اور انہیں تخلیق کرے۔

اور یہی ہستی ان کا خالق ہے جس نے ان مخلوقات کو عدم سے پیدا کیا۔ اس خالق کے وجود کے لئے لازم ہے کہ وہ خود مختار اور مستقل ہونا چاہیے، وہ اپنے وجود کے لئے کسی دوسرے کا منحصر نہ ہو، ورنہ وہ خود بھی مخلوق بن جائے گا، اور یہ ایک باطل تضاد ہے جو کسی صورت درست نہیں۔ یہ صفت — یعنی خالق ہونا — ایک کامل صفت ہے جس سے خالق کا متصف ہونا ضروری ہے، اور اس صفتِ کامل سے ان تمام متضاد صفات کی نفی ہوتی ہے جن سے ناقص مخلوقات متصف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ خود مختار وجود، بطورِ 'واجب الوجود'، لازمی طور پر ایک ازل سے ابد تک خالق، قادر، صاحبِ ارادہ، سب جاننے والا (علیم)، بے نیاز، کامل، حاکمِ اعلیٰ اور وحدہٗ لاشریک رب ہے۔ اس خالق کی ذات کا ان تمام نقائص سے پاک ہونا ضروری ہے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا، یہ منطقی طور پر لازم آتا ہے کہ وہ غیر مخلوق ہو، عاجز نہ ہو، محتاج نہ ہو، اور محدود نہ ہو، کیونکہ عقل کے مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ایک ہی ذات میں دو متضاد صفات کا جمع ہونا باطل ہے۔

خالق کی یہ صفات، اگرچہ بذاتِ خود مادی یا محسوس نہیں ہیں — کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات براہِ راست حواس سے محسوس نہیں کی جاسکتیں — تاہم عقل نے انہیں حس کے ذریعے یعنی 'حسی عقلی دلیل' سے خالق (الخالق) کے لئے ادراک کیا اور ان کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہ ادراک محسوس مخلوقات کے ساتھ جڑی ہوئی 'نقائص کی صفات' کو سمجھنے، اور خالق کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم 'کمال کی صفات' کے وجود کی ضرورت کو پہچاننے سے حاصل ہوا ہے۔ لہٰذا، خالق کے وجود کے لئے یہ ضروری صفات ایسی صفات ہیں جن کا عقل نے ادراک کیا ہے اور عقل ہی نے انہیں ثابت کیا ہے، خواہ خالق کی ذات براہِ راست عقل کے لئے قابلِ محسوس نہ ہو۔

ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس مثال پر غور کریں جو قرآن کریم نے یہ ثابت کرنے کے لیے دی ہے کہ ہمارے سردار سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہ تو ایک خدا ہیں اور نہ ہی اللہ کے بیٹے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ میں ارشاد فرمایا، ﴿**مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلاَنِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ**﴾ "مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، ان کی والدہ صدیقہ (نہایت سچی) ہیں، وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو! ہم کس طرح ان کے سامنے نشانیاں واضح کرتے ہیں، پھر دیکھو وہ کدھر الٹے پھرے جا رہے ہیں" (المائدۃ؛ 5:75)۔ ہمارے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کا کھانا کھانا 'محتاجی' کی صفت کے پائے جانے کی نشاندہی کرتا ہے، اور محتاجی 'عجز' کی علامت ہے، اور عاجز ہستی ابدی نہیں ہو سکتی، اور اس کا رب ہونا ناممکن ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں پر عیسیٰ علیہ السلام کے مخلوق ہونے کی نشانیاں — یعنی دلائل — واضح کر دیے، لیکن وہ دھوکے میں ہیں — یعنی وہ دلائل سے منہ موڑتے ہیں اور گمراہی و ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ اپنی عقل کے بنیادی اصولوں کے مطابق سوچتے تو جان لیتے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک انسان ہی ہیں، اور نتیجے کے طور پر انسانوں کی تمام خصوصیات اور صفات ان پر صادق آتی ہیں: یعنی کھانا، پینا، سونا، پیدا ہونا اور وفات پا جانا۔ یہ تمام خصوصیات جانداروں کی صفات ہیں جنہیں اپنے افعال اور معاملات چلانے کے لئے دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت ایک دوسری صفت یعنی 'عجز' کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے، اور عجز کی صفت 'مخلوق ہونے' کی صفت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مخلوقات کی دیگر صفات جیسے نقص، عجز، حاجت، موت اور زندگی وغیرہ لازم آتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک پیدا کئے گئے بندے ہیں، نہ کہ خالق یا رب۔ عقل کی رو سے یہ درست ہی نہیں کہ ایک ہی ذات میں ابدیت اور ربوبیت کی صفات کو نقص اور عجز کی صفات کے ساتھ جمع کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناممکن ہے، یہ ایک تضاد ہے، اور تضاد باطل ہوتا ہے۔

پنجم) دلیلِ مصنوعیۃ designing اور دلیلِ محدودیۃ evidence of limitation پر دلائل کی حدود کا اطلاق :

آیئے ایک مادی مثال لیتے ہیں جو 'دلیلِ محدودیت' کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں خالق کے وجود کی ضرورت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ایک لکڑی کی میز کا مشاہدہ کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی شے ہے جو اپنے لئے ایک بنانے والے کے وجود کی دلیل دیتی ہے۔ ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میز کا بنانے والا لازمی طور پر ایک ماہر بڑھئی ہو گا، جو اپنے فن کا علم رکھتا ہو گا، اسے مہارت سے انجام دینے والا ہو گا، ارادہ اور قدرت رکھتا ہو گا، اس میز کو بنانے کا کوئی مقصد ہو گا، وہ بصیرت رکھتا ہو گا، اس کے ہاتھ ہوں گے جن سے اس نے ڈیزائن کیا، اور وہ اوزاروں اور خام مال وغیرہ کا مالک ہو گا۔ یہ تمام وہ صفات اور لوازمات ہیں جن کا ہونا اس میز کے تخلیق کار کے لئے ضروری ہے۔ تاہم، صرف میز کے مشاہدے سے بنانے والے کی دیگر صفات کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کی رنگت گوری ہے، یا اس کی آنکھیں نیلی ہیں، یا اس کا نام احمد ہے، یا وہ سرخ قمیض پہنتا ہے، یا وہ یروشلم میں رہتا ہے، وغیرہ۔ یہ دعوے عقلی نہیں ہیں؛ یہ محض اندازے ہیں اور غیب کے بارے میں قیاس آرائیاں ہیں۔ میز، بطور ایک تخلیق شدہ شے کے، ان معاملات کے بارے میں قطعی کوئی دلیل نہیں دیتی، نہ ہی کسی قریب یا دور کے کسی حوالے سے، الا یہ کہ وہ بڑھئی جس نے اسے بنایا ہے، ذاتی طور پر ہم اسے جانتے ہوں۔ اور اگر ایسا معاملہ ہے کہ ہم اس بڑھئی کو جانتے ہیں، تو یہ مخصوص صفات اس کے بارے میں سابقہ معلومات کی بنیاد پر ذکر کی جا سکتی ہیں، یا اگر ہمیں کوئی خاص پہچان یا شناختی کارڈ مل جائے جو اس بڑھئی کی نشاندہی کرے، تو اس کے بارے میں پوچھا جائے اور پھر وہ بڑھئی خود اپنے بارے میں مطلع کرے۔

لکڑی کی ایک میز پر غور و فکر ہمیں اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ میز ایک 'تیار کردہ' شے ہے، کیونکہ یہ میز چند حصوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور ایک خاص مقصد انجام دیتی ہے؛ چنانچہ، یہ میز ایک مستحکم 'بامقصد نظام' ہے۔ یہ میز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے لئے ایک بنانے والے کا ہونا ضروری ہے۔ ہم اس میز کی محسوس صفات، جیسے کمال، ترتیب، میز بنانے میں مہارت، خوبصورتی، اور مؤثر طریقے سے کام کی انجام دہی سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میز کے بنانے والے میں ایسی ضروری صفات ہونی چاہئیں جو اس میز کے ڈیزائن کے مشاہدے سے حاصل ہوئی ہیں، یعنی مہارت، علم، کمال، اہلیت، ملکیت، ارادہ، اور دیگر صفات۔ یہ صفات میز بنانے والے کے لئے ضروری صفات کا ایک مجموعہ ہیں تاکہ وہ ڈیزائن کردہ شے، یعنی لکڑی کی میز، تیار کرنے کے قابل ہو سکے۔

جب میز کی اس مثال کا اطلاق کائنات پر کیا جاتا ہے، تو ہم ہر چیز میں ایک ترتیب اور ان قوانین کے وجود کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس کائنات کے نظام کو چلاتے ہیں۔ کائنات میں موجود یہ ترتیب اور نظم لازمی طور پر اس کے ایک بنانے والے یعنی خالق کی مرہونِ منت ہونی چاہیے، اور اس کے بنانے والے کو علم، کمال، حکمت، قدرت، ملکیت، ارادہ اور دیگر صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے۔

جہاں تک 'دلیلِ محدودیت' کا تعلق ہے، تو ہم کائنات میں مخصوص صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں، جیسے کہ محدودیت۔ محدودیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مختلف اشیاء کو دیکھتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک ابتداء ہے اور ایک اختتام؛ یعنی وہ مکانی طور پر محدود ہیں۔ جو چیز جگہ میں ابتداء رکھتی ہے، اس کا زمانے میں آغاز ہونا بھی ناگزیر ہے، کیونکہ زماں، مکاں کے تابع ہوتا ہے اور وجودی طور پر جگہ کے ساتھ منسلک ہے۔ مکاں کے وجود کے بغیر زماں کا کوئی آزادانہ وجود نہیں ہے، اور مکاں کے بغیر زمانے کا کوئی وجود نہیں۔ نتیجتاً، ہر محدود شے کے مکانی اور زمانی وجود کی ایک ابتداء ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مخصوص وقت پر عدم سے وجود میں لائی گئی ہے۔ دوسرے زاویے سے غور کیا جائے تو کسی محدود شے کو اپنی حدود سے تجاوز کرنے میں عاجز سمجھا جاتا ہے؛ یعنی وہ کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر اپنی حدوں سے باہر نکلنے کے قابل نہیں ہوتی۔ لہٰذا، وہ ناقص اور عاجز ہوتی ہے۔ چنانچہ، صفتِ محدودیت اور صفتِ عجز یا نقص کے درمیان ایک تلازم (باہمی تعلق) پایا جاتا ہے۔ لہٰذا، صفتِ محدودیت، صفتِ عجز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ محدود کا عاجز ہونا ضروری ہے، اور عاجز اپنی حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا، اور اس کا عجز سب سے واضح طور پر خود کو وجود بخشنے سے قاصر ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے، وہ اپنے وجود میں دوسرے پر منحصر ہوتی ہے؛ یعنی اسے کسی دوسرے نے پیدا کیا ہے، اور وہ ایک خالق کا محتاج ہے جو اسے پیدا کرے۔ خلاصہ یہ کہ اشیاء میں صفتِ محدودیت اور عجز کے درمیان تلازم ہے، اور پھر عجز اور مخلوق ہونے کی صفت کے درمیان تلازم پایا جاتا ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو خالق کو ان کمال کی صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے جو خالق ہونے کی صفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، اور خالق کے لئے ہر قسم کے نقائص اور عجز کی صفات کی نفی لازمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی ذات میں ان متضاد صفات کا جمع ہونا ایک باطل تضاد ہے جسے عقل اپنے اصولوں کے مطابق مسترد کرتی ہے۔ خالق ہونے کی صفت کے ساتھ خالق کے لئے لازم و ملزوم صفات میں سے ایک 'قادر' کی صفت ہے، اس طرح کہ وہ عاجز نہ ہو؛ اور ان صفات میں سے ایک 'ابدیت' بھی ہے، اس

طرح کہ وہ محدود نہ ہو؛ اسی طرح سب کا احاطہ کئے ہوئے باعلم ہونا، ارادہِ مطلق اور کمال کی دیگر صفات بھی ہیں، اور ان صفات کا خالق میں موجود ہونا اس کی تخلیق کردہ اشیاء، مخلوقات اور اس کی محسوس شدہ مادی صفات کے وجود سے ثابت ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہم میز کے معاملہ میں دلیلِ مصنوعیہ کے ذریعے، اور اس تخلیق شدہ شے میں موجود مخصوص صفات کے وجود سے، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس میز کے تخلیق کار میں ان لازم وملزوم صفات کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ ڈیزائنر کی صفات کا اثر تیار کردہ شے میں ظاہر ہوا ہے، جو کہ ایک سببی ربط (Causal link) ہے، یعنی ایک اثر اور مؤثر کے درمیان پایا جانے والا سببی تعلق ہے۔

تاہم، 'دلیلِ محدودیت' میں ہم نے 'صفات کے تلازم' کے ذریعے یہ نتیجہ نکالا کہ کائنات کا وجود ایسا وجود ہے جو اپنی ذات میں مستقل اور خود مختار نہیں ہے۔ اس کے بجائے، یہ ایک ایسا وجود ہے جو دوسرے پر منحصر ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ مخلوق ہے۔ مخلوق کے لیے لازمی طور پر ایک خالق ہونا چاہیے جو اس کی تخلیق کا سبب ہو؛ چنانچہ ہم کائنات کے لیے ایک 'خالق کے واجب الوجود' ہونے کے نتیجے پر پہنچے ہیں۔ چونکہ خالق کے ساتھ جڑی ہوئی سب سے اہم صفت اس کا اپنی ذات میں مستقل اور خود مختار ہونا ہے، اس لیے یہ لازمی ہے کہ خالق کی یہ صفت دیگر ایسی صفات کے ساتھ لازم وملزوم ہو جو محدود، عاجز، محتاج اور پیدا کردہ مخلوقات کی صفات کے برعکس ہوں۔ خالق کو غیر محدود، ازلی (الازليه)، قادرِ مطلق (القدرة المطلقه) اور بے نیازی (الصمديه) کے ساتھ متصف ہونا چاہیے۔ ہم ابدیت کی صفت کے ساتھ منسلک دیگر صفات کی موجودگی کی ضرورت تک بھی پہنچتے ہیں، جیسے کہ کمال کی صفات، نقص کی نفی، علیمِ الخبیر، ارادہِ مطلق، وحدانیت، ربوبیت اور دیگر صفات۔ یہ وہ ضروری صفات ہیں جن کا اثبات عقل، ربُّ العالمین کے لئے لازم قرار دیتی ہے۔

یہ وہ اہم ترین حدود ہیں جن پر خالق کے وجود کے بارے میں اللہ کے منکرین کے ساتھ بحث کے لئے بنیادی اصولوں کے طور پر متفق ہونا ضروری ہے، تاکہ انہیں ان عقلی دلائل اور براہین کا پابند بنایا جاسکے جو ہم اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو اس امتِ مسلمہ کے لئے فائدہ مند بنائے، جسے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ، حق کے لئے اور ہدایت کے لئے بنی نوع انسان پر گواہ بنایا ہے۔ اور وہ ہمیں اس انسانیت کے لئے ایسا رہنما بنا دے جن کے ہاتھوں اللہ زمین کی گمراہ قوموں کو ہدایت عطا فرمائے، تاکہ وہ اطمینانِ قلب اور یقین کے ساتھ اللہ کے دین میں داخل ہو سکیں۔ **آمین یارب العالمین!**

فہرست

11 مئی: نوید بٹ کے اغوا کی برسی

جمعہ، 11 مئی 2012 کو، نوید بٹ، جو چار بچوں کے ایک شفیق اور وفادار والد تھے، پاکستان کے شہر لاہور میں اُس وقت اغوا کر لیے گئے جب وہ اپنے کم عمر بچوں کو اسکول سے لینے کے بعد گھر واپس آ رہے تھے۔ نوید بٹ کو حکومتی سکیورٹی اہلکاروں نے اغوا کیا، جیسا کہ پڑوسیوں اور اہلِ خانہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہیں پاکستان میں دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ایک دہائی سے زائد عرصے تک بے خوف، انتھک اور مسلسل جدوجہد کے بعد اغوا کیا گیا۔

نوید بٹ نے بے خوف ہو کر حق بات کہی۔ انہوں نے کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان سے غداری کے خلاف آواز بلند کی۔ انہوں نے آئی ایم ایف، جس نے پاکستان کی معیشت کو تباہ کر دیا، کے سامنے جھک جانے کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے میڈیا اور تعلیمی پالیسی کے ذریعے مغربی لبرل اور فاسد اقدار کے پھیلاؤ کے خلاف آواز بلند کی۔ نوید بٹ نے حق کے لیے آواز اٹھائی، مگر ظالموں کا جواب یہ تھا کہ انہیں خاموش کر دیا جائے، حالانکہ حق بات کہنا شریعت کی رو سے مسلمانوں پر فرض بھی ہے اور اُن کا حق بھی۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ رَهْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا رَآهُ أَوْ شَهِدَهُ فَإِنَّهُ لَا يُقَرِّبُ مِنْ أَجَلٍ وَلَا يُبَاعِدُ مِنْ رِزْقٍ» "لوگوں کا خوف تم میں سے کسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ حق بات کہے جب وہ اسے دیکھے یا اس کا مشاہدہ کرے، کیونکہ حق بات نہ تو عمر کو کم کرتی ہے اور نہ ہی رزق میں کمی کا سبب بنتی ہے۔"[احمد]

پھر کئی برسوں پر محیط طویل اور تکلیف دہ جدوجہد کے بعد، نوید بٹ کے اہلِ خانہ اُن کے جبری اغوا کے سرکاری اعتراف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ 4 جنوری 2018 کو، پاکستان کے "کمیشن آف انکوائری آن انفورسڈ ڈس اپیئرنسز" نے نوید بٹ کے حوالے سے ایک پروڈکشن آرڈر جاری کیا، جس کا حوالہ نمبر ColoED ID No. 860-P تھا۔ اس حکم نامے میں کہا گیا: "اس مقدمے کی کارروائی کے دوران جمع کیے گئے شواہد کی بنیاد پر کمیشن کو شبہ ہے کہ لاپتہ شخص نوید بٹ کو خفیہ ادارے کے اہلکاروں نے اٹھایا ہے اور اپنی غیر قانونی حراست میں رکھا ہوا ہے، لہٰذا کمیشن ہدایت کرتا ہے کہ نوید بٹ کو کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے۔"

اس حکم کے باوجود، اہلِ خانہ اور دوست آج تک نوید بٹ کے مقام یا اُن کی خیریت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ صرف نوید بٹ کے لیے آواز کیوں اٹھائی جائے، دوسروں کے لیے کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان میں اغوا کیے گئے ہزاروں افراد میں سے ہر ایک کے رشتہ داروں اور دوستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پیاروں کے لیے آواز بلند کریں۔ اسی طرح ہر نیک بیٹا اور بیٹی اپنی نیکی کی وجہ سے پہچانے جائیں گے، نہ کہ محض ایک طویل فہرست میں درج ایک نام کے طور پر، اور اس طرح پاکستان کے حکمرانوں کے ظلم کو بے نقاب کیا جائے گا۔ یہ بلند ہونے والی آوازیں ایک چھوٹے سے دھارے سے بڑھ کر ایک خوفناک سیلاب بن جائیں گی، جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حکم سے اس ظلم، جبر اور اہلِ ایمان کے خلاف دشمنی کے خاتمے کا سبب بنے گی۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ **"بے شک جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ظلم ڈھاتے ہیں، پھر توبہ نہیں کرتے، اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور اُن کے لیے جلتی آگ کا عذاب ہے۔"**[سورۃ البروج 85:10]

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ» **"جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے، تو میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں۔"**[صحیح بخاری]

یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ نوید بٹ کے اغوا کو نمایاں کیوں کیا جائے جبکہ اس سے ظالموں کا خوف پھیلتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نیک مومن کا ظالموں کے خلاف بہادرانہ مؤقف دوسرے نیک مسلمانوں کو یہ یاد دہانی کراتا ہے کہ وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَرَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ، فَقَتَلَهُ» "شہداء کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں، اور وہ شخص بھی جو ایک ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہوا، اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا، پھر اُس حکمران نے اسے قتل کر دیا۔"** [الحاکم]

بے شک، اپنے اغوا سے پہلے نوید اس یقین کے حامل تھے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو ظالموں کے سامنے خاموش سرِ تسلیم خم کرنے سے روکنے اور انہیں بیدار کرنے کے لیے صرف ایک یا دو شہداء ہی کافی ہوں گے۔

اے پاکستان کے مسلمانو!

نوید بٹ نے اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کی رضا کے لیے ظالموں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کا راستہ اختیار کیا، اور ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے۔ ہماری خاموشی صرف ظلم کے تسلسل کو یقینی بناتی ہے اور دنیا و آخرت میں ہمارے حالات کو مزید بدتر کرتی ہے۔ ہمیں ظالموں کے خلاف اپنی آوازیں بلند کرنی چاہییں، یہاں تک کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ ظلم کا خاتمہ فرما دے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ فرماتے ہیں: **﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاَ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾** "اور اُس فتنے سے ڈرو جو صرف تم میں سے ظالموں ہی تک محدود نہیں رہے گا، اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔" [سورۃ الانفال 8:25]

بے شک، ظالم حکمرانوں کا ظلم صرف اُن لوگوں کو خاموش کرانے تک محدود نہیں جو حق کے لیے آواز بلند کرتے ہیں۔ انہی ظالموں نے دو سال سے زائد عرصے تک غزہ کی حمایت میں افواج کو متحرک ہونے سے روکے رکھا۔ پھر یہ ٹرمپ کے "بورڈ آف پیس" میں شامل ہو گئے، جو دراصل یہودی وجود کے خلاف مزاحمت کو غیر مسلح کرنے کی نگرانی کے لیے قائم کیا گیا بورڈ ہے۔ مئی 2025 میں جب ٹرمپ نے بھارت کے خلاف جنگ بندی کا حکم دیا تو ان ظالموں نے اُس کی اطاعت کی، حالانکہ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ نے اہلِ ایمان کو فضائی برتری عطا کر دی تھی، جس کے بعد کشمیر کی آزادی ایک ناگزیر معاملہ بن چکی تھی۔ ان ظالموں نے ایران کے مسلمانوں کو، جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی سرزمین ہے، اُس وقت تنہا چھوڑ دیا جب امریکہ اور یہودی وجود نے اُن پر حملہ کیا۔ پھر یہی حکمران ٹرمپ کو بچانے کے لیے

سرگرم ہوگئے اور دن رات مذاکرات کے ذریعے ایران کو دھوکا دینے میں مصروف رہے۔ یہ ظالم امریکہ کے آلہ کار آئی ایم ایف کے احکامات پر عمل کرتے ہیں اور غربت و تنگ دستی کا سیلاب جاری کیے ہوئے ہیں، حالانکہ پاکستان کے پاس نایاب معدنی عناصر (Rare Earth Elements) سمیت بے پناہ وسائل موجود ہیں۔ اور اسلام کے خلاف امریکہ کی عالمی جنگ میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے یہی حکمران نوجوانوں میں مغربی فاسد اقدار کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ جامعات اور کالجوں میں بے حیائی اور منشیات کے فروغ کی بھی اجازت دے رہے ہیں۔

اے پاکستان کی مسلح افواج کے مسلمانو!

تم طاقت اور حفاظت والے لوگ ہو۔ اس وقت ظالم حکمران تمہاری قوت کو اپنے ظلم کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ تم پر شرعی فرض یہ ہے کہ تم ان ظالموں کو ہاتھ سے روکو، کیونکہ تم اس کی قدرت رکھتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ» "جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور اُس کے ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ اُن سب کو اپنے عذاب میں لپیٹ لے۔"** [ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ]

ان ظالموں کو پکڑو اور اُن کے ظلم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دو، اور حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرتے ہوئے نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام میں اپنا کردار ادا کرو۔

فہرست

سوال وجواب: موجودہ دور کے مسلمان حکمرانوں سے نصرة (عسکری مدد) طلب کرنا

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے معزز شیخ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اللہ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ خیر و عافیت سے رہیں اور میرا یہ پیغام آپ کو صحت و تندرستی کی حالت میں ملے۔ محترم شیخ! میرا سوال یہ ہے کہ: صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے مستند اسناد کے ساتھ مروی ہے، جس کے الفاظ ہیں: **«وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ» "بے شک اللہ اس دین کی مدد ایک فاجر (گنہگار) شخص کے ذریعے بھی فرمادیتا ہے"۔**

چونکہ ہمارے حکمران بھی فاسق و فاجر ہیں، تو پھر انہیں طلبِ نصرة (عسکری مدد) سے کیوں علیحدہ رکھا جاتا ہے، جبکہ حدیث کے مطابق وہ اس دین کی مدد کر سکتے ہیں؟ اگرچہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آج کے دور میں افواج ہی عسکری طاقت اور تحفظ کا اصل ذریعہ ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ حکمران سے براہِ راست مخاطب ہونا اور اس سے حمایت حاصل کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ان ماتحت افواج کو مخاطب کیا جائے جو کہ اسی حکمران کے تابع ہوتی ہیں اور قتل، خونریزی اور لوگوں کی تباہی میں اسی حکمران کے احکامات کی بجاآوری کرتی رہتی ہیں۔ اور یہی کچھ ہو رہا ہے جو کچھ ہم اپنے اردگرد دیکھ رہے ہیں، وہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔ قبیلہ اوس اور خزرج سے نصرة (عسکری مدد) کس طرح حاصل ہوئی تھی؟ کیا یہ نصرة ان قبیلوں کے انفرادی اشخاص اور سرداروں کی طرف سے تھی یا ان قبیلوں کی حکمران قیادت کی طرف سے تھی؟

براہِ کرم اگر ممکن ہو تو متعلقہ شرعی دلائل کے ساتھ وضاحت فرمادیں۔

اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اللہ آپ کو برکت عطا فرمائے۔

1- جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے، تو اس کا تعلق ریاست کے قیام کے لئے نصرۃ (عسکری مدد) حاصل کرنے سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس امر کے جائز ہونے سے ہے کہ ریاستِ خلافت میں رہنے والا کوئی ذمی (أهل الذمة- غیر مسلم شہری) یا کوئی معاھد (وہ شخص جس کی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو)، وہ مسلمانوں کی فوج میں ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف لڑ سکتا ہے۔ اس بات کو آپ کے سامنے واضح کرنے کے لئے میں اس موضوع سے متعلق چند نصوص پیش کرتا ہوں:

آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، **«ثُمَّ أَمَرَ بِلَالاً فَنَادَى بِالنَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ» "پھر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، تو انہوں نے لوگوں میں منادی کی کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہو گا، اور یقیناً اللہ اس دین کی مدد (ونصرت) ایک فاجر شخص کے ذریعے بھی کروالیتا ہے"**۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے کسی غیر مسلم یا گناہ گار، جیسے کہ ذمی کے لئے اسلامی فوج میں شامل ہو کر لڑنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ جنگی فنون کا ماہر ہو۔ اس کی دلیل میں درج ذیل امور شامل ہیں:

الف- کتاب "الشخصية الإسلامية" کی دوسری جلد میں، جنگ میں غیر مسلموں سے عسکری مدد (استعانۃ) حاصل کرنے کے موضوع پر بیان کیا گیا ہے کہ:

(يجوز أن يُستعان بالكفار بوصفهم أفراداً، وبشرط أن يكونوا تحت الراية الإسلامية، بغض النظر عن كونهم ذميين أو غير ذميين، أي سواء أكانوا من رعايا الدولة الإسلامية، أم لم يكونوا. أما الاستعانة بهم كطائفة معينة لها كيان مستقل عن الدولة الإسلامية فلا يجوز مطلقاً، فيحرم أن يستعان بهم بوصفهم دولة مستقلة. والدليل على جواز الاستعانة بالكفار في القتال أفراداً: «أن قزمان خرج مع أصحاب رسول الله ﷺ يوم أحد وهو مشرك، فقتل ثلاثة من بني عبد الدار حملة لواء المشركين، حتى قال ﷺ: إن الله ليأزر هذا الدين بالرجل الفاجر» رواه الطبري في تاريخه...)

"غیر مسلموں سے انفرادی طور پر عسکری مدد حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اسلام کے پرچم تلے ہوں، خواہ وہ ذمی ہوں یا غیر ذمی، یعنی خواہ وہ اسلامی ریاست کے شہری ہوں یا نہ ہوں۔ تاہم، ایسے غیر مسلموں سے جو اسلامی ریاست سے الگ ایک مخصوص گروہ کی حیثیت سے آزاد وجود رکھتے ہوں تو ان سے مدد طلب کرنا قطعاً حرام ہے۔ کسی آزاد ریاست کے طور پر ان سے عسکری مدد مانگنے کو منع کیا گیا ہے۔ انفرادی طور پر جنگ میں غیر مسلموں سے مدد لینے کے جواز کی دلیل درج ذیل واقعے سے ملتی ہے، "قزمان غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ (جنگ کے لئے) نکلا جبکہ وہ مشرک تھا، اور اس نے مشرکین کا پرچم اٹھانے والے بنو عبد الدار کے تین آدمیوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ اس دین کی مدد (ونصرۃ) ایک فاجر شخص کے ذریعے بھی کروا لیتا ہے"۔ (اسے طبری نے اپنی تصنیف "تاریخ" میں روایت کیا ہے)"...

ب- اسی طرح الشوکانیؒ کی تصنیف "نیل الأوطار" میں، مشرکین سے مدد حاصل کرنے کے باب میں بیان کیا گیا ہے، (وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ الِاسْتِعَانَةِ بِالْمُشْرِكِينَ «أَنَّ قَزْمَانَ خَرَجَ مَعَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ وَهُوَ مُشْرِكٌ فَقَتَلَ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ حَمَلَةَ لِوَاءِ الْمُشْرِكِينَ حَتَّى قَالَ ﷺ: إنَّ اللَّهَ لَيَأْزُرُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ» كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ عِنْدَ أَهْلِ السِّيَرِ.] "مشرکین سے مدد حاصل کرنے کے جواز کی دلیلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قزمان غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ساتھ (جنگ کے لئے) نکلا جبکہ وہ مشرک تھا، اور اس نے مشرکین کا پرچم اٹھانے والے بنو عبد الدار کے تین آدمیوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'یقیناً اللہ اس دین کی حمایت (ونصرۃ) ایک فاجر شخص کے ذریعے بھی کروا لیتا ہے'، جیسا کہ سیرت نگاروں کے ہاں یہ بات ثابت ہے"۔

جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو ذمی (غیر مسلم شہری) ہو یا معاہد ہو، مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کی فوج میں ان کے دشمنوں کے خلاف لڑنا جائز ہے۔ اس کا خلافت کے قیام کے لئے نصرۃ (عسکری مدد) حاصل کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

2- جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا موجودہ دور کے مسلم حکمرانوں سے نصرۃ (عسکری مدد) طلب کرنا جائز ہے؟ تو یہ معاملہ نصرۃ طلب کرنے کے شعبے میں کام کرنے والے شباب کے لئے ہمارے نجی پیغامات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن میں ان

میں سے وہ حصہ اقتباس کے طور پر پیش کرتا ہوں جس کا تعلق موجودہ دور کے اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے نصرۃ طلب کرنے کے بارے میں آپ کے سوال سے ہے:

" • اگر کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں لوگوں کے امور پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جو اپنے ارد گرد کے علاقوں کے اعتبار سے ایک منظم اور علیحٰدہ وجود کی حیثیت رکھتی ہو، خواہ وہ کوئی قبیلہ ہو یا کوئی ریاست، اور وہ ان لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہو اور ان کے امور کا انتظام چلاتی ہو، اور وہاں کے لوگوں میں سے اچھا کام کرنے والے کو صلہ اور برا کام کرنے والے کو سزا دیتی ہو، وغیرہ۔۔۔ اور اگر وہ حکومت اپنے ارد گرد کے دیگر علاقوں کے خلاف اپنا دفاع کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتی ہو... تو یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس سے نصرۃ طلب کرنے کا اطلاق ہوتا ہے...

• نصرۃ طلب کرنے کا طریقہ کار دو صورتوں میں ہوتا ہے:

پہلا طریقہ: اس علاقہ یا ریاست کے سربراہ سے نصرۃ طلب کرنا، خواہ وہ قبیلے کا سردار ہو یا ریاست کا سربراہ...

دوسرا طریقہ: اس علاقہ یا ریاست کے اندر اثرورسوخ رکھنے والی شخصیات کے ایک گروہ (اہلِ قوت) سے نصرۃ طلب کرنا...

دونوں صورتوں میں اس طریقے کا اطلاق ان علاقوں (یا ریاستوں) کی نوعیت پر منحصر ہے، خواہ وہ ریاستیں ہوں یا قبیلے:

اگر وہ علاقہ یا ریاست اپنے معاملات میں آزاد اور خودمختار ہو، تو اوپر بیان کردہ طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے نصرۃ طلب کرنا جائز ہے: یعنی یا تو اس کی قیادت سے یا پھر اس کے اندر موجود اثرورسوخ رکھنے والی (اہلِ قوت) شخصیات کے ایک گروہ سے۔

اگر وہ علاقہ یا ریاست کسی بیرونی طاقت سے جڑا ہوا ہو اور وہ اس تعلق کو ختم کرنا نہ چاہتا ہو، اور ہم اس بات سے واقف بھی ہوں، تو ہم اس کی نصرۃ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اس بیرونی طاقت سے اپنا تعلق منقطع نہ کر لے۔ اس صورت میں، ہم صرف دوسرے طریقے کی طرف رجوع کریں گے، یعنی اثرورسوخ رکھنے والی شخصیات کے ایک گروہ (اہلِ قوت) سے رابطہ کریں گے۔

• رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ اور اس پر غوروفکر کرنے سے یہ امور بالکل واضح ہو جاتے ہیں... :

ہم نے نصرۃ طلب کرنے والے شباب کے لئے ان امور کو نصوص اور ان کے شرعی دلائل کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا ہے... تاہم، میں آپ کے سوال سے متعلق ایک نکتہ یہاں ذکر کرتا ہوں:

[جہاں تک ان قبیلوں کا تعلق ہے جن کے بیرونی طاقتوں سے روابط ہیں، اور ساتھ ہی ان ریاستوں کا جن کے بیرونی طاقتوں کے ساتھ تعلقات ہیں، تو اگر ہمیں ان کے ان بیرونی روابط کا علم ہو تو ہم ان سے نصرۃ طلب نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ہم ان کی نصرۃ کو اس طرح قبول کرتے ہیں کہ وہ کسی ایک معاملے میں تو مدد کریں اور کسی دوسرے معاملے میں اس بیرونی ریاست کو خوش کرنے کے لئے ہاتھ روک لیں جس کی وہ حمایت کرتے ہیں۔ اس کے بجائے، اگر ضروری ہو، تو دوسری صورت والا طریقہ کار ہی اختیار کیا جاتا ہے، یعنی ان کے درمیان سے ایسے افراد سے، جو اہلِ قوت میں سے ہوں، ان سے نصرۃ طلب کی جائے جو مل کر ایک ایسی طاقت تشکیل دیں جو تبدیلی لانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ یہی وہ معاملہ ہے جو قبیلہ بنو شیبان بن ثعلبہ کے ساتھ پیش آیا تھا، جیسا کہ ابن سید الناس کی تصنیف 'عیون الاثر' (1/202) میں ذکر کیا گیا ہے:

"اور قاسم بن ثابت نے —جیسا کہ میں نے ان سے دیکھا— عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس مقصد (نصرۃ کی طلب) کے لئے نکلنے کا ذکر ہے۔ ابو بکر صدیقؓ عرب کے قبیلوں کے شجرۂ نسب، ان کی تاریخ، ان کی طاقت اور ان کے سیاسی اثر و رسوخ کو بہت بہتر جاننے والے تھے۔ اس لئے وہ آگے آگے چل رہے تھے تاکہ قبیلوں کی پہچان کر سکیں اور بات چیت کا راستہ ہموار کریں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے"۔ انہوں نے پوچھا: 'یہ کون لوگ ہیں؟' انہوں نے کہا: "یہ بنو شیبان بن ثعلبہ سے ہیں"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! یہ اپنی قوم کے معزز اور ممتاز لوگ ہیں، جن میں مفروق بن عمرو، هاني بن قبيصه، المثنى بن حارثہ اور النعمان بن شریک شامل تھے۔ مفروق بن عمرو وجاحت و جمال اور فصاحت و بلاغت میں ان سب سے بڑھ کر تھا"...

مفروق نے کہا: "لگتا ہے آپ قریش کے بھائی ہیں؟ ابو بکرؓ نے کہا: اگر آپ کو بتایا جائے کہ قریش کے پاس اللہ کے رسول ہیں اور وہ یہ ہیں؟ مفروق نے کہا: یہ خبر ہم تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: "اے قریش کے بھائی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟" رسول اللہ ﷺ پھر آگے بڑھے اور بیٹھ گئے، ابو بکرؓ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ پر

اپنے کپڑوں سے سایہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : «أَدْعُوكُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَأَنْ تؤووني وَتَنْصُرُونِي حَتَّى أُؤَدِّيَ عَنِ اللَّهِ الَّذِي أَمَرَنِي بِهِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَى أَمْرِ اللَّهِ، وَكَذَّبَتْ رَسُولَهُ،وَاسْتَغْنَتْ بِالْبَاطِلِ عَنِ الْحَقِّ، وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ» **"میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ گواہی دو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں یہ بھی طلب کر رہا ہوں کہ آپ مجھے تحفظ اور مدد فراہم کریں تاکہ میں وہ پیغام پہنچا سکوں جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، کیونکہ قریش نے اللہ کے دین کے خلاف لشکر میں شمولیت اختیار کر لی ہے؛ انہوں نے اس (اللہ) کے رسول کو جھٹلا دیا ہے، اور اپنے آپ کو سچ کے بجائے باطل سے مطمئن کر لیا ہے۔ لیکن اللہ بے نیاز ہے، تمام تعریفوں کے لائق ہے"**۔ پھر مفروق نے کہا، "اللہ کی قسم، اے قریش کے بھائی! آپ نے ہمیں بہترین اخلاق اور نیک اعمال کی دعوت دی ہے۔ یقیناً وہ لوگ جھوٹے ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے خلاف سازشیں کیں" ...

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ کو بھی اس گفتگو میں شامل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے کہا...: "یہ مثنیٰ بن حارثہ ہیں۔ یہ ہمارے بزرگ ہیں اور ہمارے فوجی معاملات کے انچارج ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے مثنیٰ نے کہا: "ہم اپنے آپ کو دو ممالک کی سرحدوں کے درمیان پاتے ہیں"۔ ایک یامامہ اور دوسرا اساوہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا، « وماهذان الصريان؟ » "آپ کن دو ممالک کی سرحدوں پر واقع ہیں؟" اس نے جواب دیا، "ایک طرف ہمارے پاس زمین ہے، عرب کی اونچی پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں جبکہ دوسری طرف ہمارے پاس فارسیوں کی زمین اور کسریٰ کی ندیاں ہیں۔ کسریٰ نے ہمیں اس شرط پر رہنے کی اجازت دی ہے کہ ہم کوئی نئی چیز شروع نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کی حمایت کریں گے جو نئی تحریک شروع کرتا ہے۔ اس بات کا امکان بہت زیادہ ہے کہ فارسی بادشاہ اس کو پسند نہیں کریں گے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں، جبکہ عربوں کی سرزمین میں یہ رواج ہے کہ غلطی کرنے والوں کو معاف کرنا اور ان کا عذر قبول کرنا، اور فارسیوں کی سرزمین کا رواج ہے کہ جو لوگ غلطیاں کرتے ہیں انہیں معاف نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کے عذر قبول کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اپنی سرزمین پر لے جائیں اور عربوں کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ہم اس ذمہ داری کو قبول کر سکتے ہیں (تاہم ہم فارسیوں کی مخالفت کی ذمہ داری برداشت نہیں کر سکتے)"۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا: «ما أسأتم الرد إذ أفصحتم بالصدق، إنه لا يقوم بدين الله إلا من

حاطه من جميع جوانبه «"آپ کا جواب برا نہیں رہا کیونکہ آپ نے کھل کر بات کی ہے۔ تاہم، صرف وہی لوگ اللہ کے دین کو قائم کر سکتے ہیں جو اس کی ہر زاویے سے حفاظت کریں"...[اقتباس ختم]

چنانچہ، رسول اللہ ﷺ یہ جان گئے کہ بنو شیبان کا اہلِ فارس کے ساتھ ایک معاہدہ تھا، اور اگرچہ وہ عربوں کے خلاف تو نبی کریم ﷺ کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرنے پر راضی ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اس نصرۃ کو فارسیوں کے خلاف کسی اقدام سے الگ رکھا جائے۔ تاہم، رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو قبول نہیں فرمایا، باوجود اس کے کہ وہ قریش اور عربوں کے خلاف آپ ﷺ کو نصرۃ دینے پر راضی ہو چکے تھے۔ انہوں نے فارسیوں کے ساتھ اپنے معاہدے کی وجہ سے ہی یہ شرط رکھی تھی کہ اس نصرۃ کو فارسیوں سے الگ رکھا جائے۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کو قریش کے خلاف نصرۃ کی ضرورت تھی، لیکن آپ ﷺ نے صرف اسی نصرۃ کو منظور کیا اور اسے قبول فرمایا جو تمام کفار کے خلاف ہو اور غیر مشروط ہو۔

مختصر یہ کہ، رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں نصرۃ (عسکری مدد) اسی طرح طلب کی گئی تھی۔ یہ وہی طریقہ کار ہے جس پر ہم اللہ کی مدد سے کاربند ہیں، اور ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں نبوت کے طریقے پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کو دوبارہ بحال کرنے میں کامیابی عطا فرمائے...

مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت کافی ہو گی، اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور نہایت حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ 27

ذوالقعدۃ 1447 ہجری بمطابق 14 مئی، 2026 عیسوی

فہرست

امریکہ اور چین: کیا عالمی نظام کی ایک نئی تشکیل ہونے کو ہے؟!

انجینئر وسام آلاطرش

تعارف:

1990ء کی دہائی میں سوویت یونین کے انہدام اور یک قطبی دنیا کے ظہور کے بعد، امریکہ نے مغربی بلاک کی قیادت کرتے ہوئے روس کو قابو میں رکھنے، اس کے گرد گھیرا تنگ کرنے، اور اسے ایک ایسی ریاست کی حالت تک محدود کرنے کی کوشش کی کہ جہاں اس کا علاقائی اثر ورسوخ بھی باقی نہ رہے۔ امریکہ نے روس کے نیوکلئیر ہتھیاروں اور بین البراعظمی بیلسٹک میزائلوں کو غیر مؤثر بنانے کی کوشش کی، اور روس کے گردونواح میں بے چینی اور بدامنی کو ہوا دی، جس کا نقطۂ عروج یوکرین پر بڑے پیمانے پر حملے میں امریکہ کی شمولیت کی صورت میں سامنے آیا۔ اسی دوران امریکہ نے چین کو بھی زیرِ کرنے اور اسے اس کی عظیم دیوار کی حدوں تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کی، اور امریکہ نے چین کو محض ایک ایسی وسیع منڈی سمجھا کہ جس سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور ایک ایسی افرادی طاقت کے جن کے طور پر کہ جس کو اپنے فائدے کے لئے سدھایا جاسکے۔ اس کے باوجود چین نے اپنی طاقت اور وسائل کے بل بوتے پر ایک علاقائی سپر پاور کی حیثیت حاصل کرلی، اور چین سلامتی کونسل میں ویٹو پاور رکھتا ہے، اور اس کے علاوہ علاقائی سطح پر بڑھتے ہوئے عزائم بھی رکھتا ہے۔ بلکہ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ آج چین ایک معاشی طاقت کا درجہ رکھتا ہے اور ایک بڑی طاقت ہونے کی تمام تر خصوصیات کا حامل ہے۔

کیا چین اب امریکہ کی جگہ لے کر گلوبل آرڈر کے واحد لیڈر کے طور پر مرتبہ سنبھالنے کے لئے ابھر رہا ہے، خاص طور پر اس پس منظر میں کہ حالیہ برسوں میں امریکی سلطنت کے زوال کی باتیں زور و شور سے کی جارہی ہیں؟ یا پھر ایسا ہے کہ ہم ایک کثیر القطبی دنیا کی طرف بڑھ رہے ہیں، جیسا کہ بہت سے مفکرین اور تجزیہ نگار بھی کہتے ہیں؟ کیا سرد جنگ کا وہ تصور، جو سوویت دور میں رائج تھا، امریکہ اور چین کے تعلقات کو درست طور پر بیان کرتا ہے؟ یا پھر دونوں ممالک ٹیرف کے شور شرابے کے باوجود عالمی نظام کی نئی تشکیل کی راہ پر گامزن ہیں؟

ان سوالات کے جواب سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ عالمی نظام میں ہونے والی حالیہ اور مسلسل جاری تبدیلیوں کو اس وقت تک درست طریقے سے نہیں سمجھا جاسکتا اگر ہم صرف اُن روایتی تصورات پر انحصار کرتے رہیں جو بیسویں صدی پر حاوی تھے، خصوصاً سرد جنگ کے دو شدید طاقتوں کے اُس تصور پر، جس میں دو متضاد طاقتیں ایک مضبوط، گویا فولادی دیوار اور تقریباً مکمل معاشی رکاوٹ کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ موجودہ منظرنامہ کسی غالب طاقت کے اچانک انہدام یا زوردار سقوط کی عکاسی نہیں کرتا، بلکہ یہ اُس یک قطبی بالادستی کے تدریجی زوال کو ظاہر کرتا ہے جو 1991ء کے بعد ابھری تھی، اور ایک ایسے نامکمل عالمی نظام کی طرف سست رفتار منتقلی کو، جس میں طاقت کے مراکز ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں، اور اثر ورسوخ کے ذرائع معیشت، ٹیکنالوجی، فوجی قوت، اور پراکسی جنگوں کے درمیان تقسیم ہو چکے ہیں، جیسا کہ آگے وضاحت کی جائے گی۔

اس تبدیلی کے مرکز میں تین بڑے دائرے موجود ہیں، جو براہِ راست اُن اسباب سے جڑے ہوئے ہیں جنہوں نے ایران کو ایک اسٹریٹجک خلل پیدا کرنے والی قوت اور عالمی اختلاف کا مرکزی نقطہ بنا دیا ہے، اور ایک ایسی نئی قسم کی سرد جنگ کو جنم دیا ہے جس کی مثال پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ عالمی کشمکش میں مشرقِ وسطیٰ کے لئے "طوفان الاقصیٰ" کے واقعات ایک تاریخی موڑ کے طور پر ثابت ہوئے، جنہوں نے دنیا کی توجہ اُس یکطرفہ بالادستی کی حقیقت کی طرف مبذول کرائی جو یہودی وجود کی پشت پناہی کر رہی ہے، اور جسے مسلسل پیش آنے والے واقعات نے خطے کی دلدل میں ایک کثیر محازوں پر تھکا دینے والی جنگ میں الجھا کر رکھ دیا ہے۔ 2014ء میں عزالدین القسام بریگیڈز نے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی فوجی پریڈ منعقد کی تھی، جس میں پہلی مرتبہ ڈرونز، غوطہ خور یونٹس، اور نئے میزائل و راکٹ پیش کیے گئے۔ تاہم اُس وقت جس پیغام کو بعض لوگ سمجھنے میں ناکام رہے، وہ ابو عبیدہ کی جانب سے ایران کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ جن تین دائروں کی ہم بات کر رہے ہیں، وہ یہ ہیں: چین اور ایران کے درمیان بالواسطہ تعاون کا نیٹ ورک، روس اور ایران کے درمیان بڑھتا ہوا فوجی و تکنیکی اتحاد، اور امریکی طاقت کی حدود، جیسا کہ مغربی اسٹریٹجک تھنک ٹینکس کی رپورٹس سے ظاہر ہوتا ہے۔

چین اور ایران: گلوبل آرڈر کے اندر منظم طاقت کے طور پر شمولیت

اس تناظر میں چین اور ایران کے تعلقات اس نئی قسم کے بین الاقوامی تعامل کی ایک نمایاں مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ گرچہ یہ کوئی براہِ راست فوجی اتحاد نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کی خاموش لیکن منظم طاقت بنانے کی ایک ایسی شکل ہے جو عالمی نظام

کے اندر رہتے ہوئے ہی کام کرتی ہے، نہ کہ اس کے باہر رہ کر۔ اس عمل کو دونوں ممالک کے مابین مارچ 2021ء میں طے پانے والے جامع اسٹریٹجک پارٹنرشپ معاہدے نے مزید مضبوط کیا۔ یہ 25 سالہ تعاون کا فریم ورک اقتصادی اور سکیورٹی تعلقات کو مستحکم بنانے کے لئے ترتیب دیا گیا، جس کے تحت ایران سے مستقل اور رعایتی نرخوں پر ایران کے آئل کی فراہمی حاصل کرنے کے عوض بیجنگ نے تیل، گیس، اور انفراسٹرکچر کے شعبوں میں 400 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا عہد کیا تھا۔ یہ معاہدہ امریکی پابندیوں کے مقابلے میں ایران کے لئے ایک اہم سہارا فراہم کرتا ہے۔

دوسری جانب امریکی انرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایرانی تیل کی ایشیائی منڈیوں، خصوصاً چین، تک ترسیل اب بھی جاری ہے، جو پیچیدہ ثالثی نیٹ ورکس اور پابندیوں سے بچنے کے طریقہ کار کے ذریعے ممکن بنائی جا رہی ہے۔ ایران کے آئل کی یہ ترسیل محض تجارتی تبادلہ نہیں، بلکہ ایک اہم معاشی توازن کا عنصر ہے جو ایران کو مغربی دباؤ کے باوجود اپنے مالی استحکام کو کم از کم برقرار رکھنے کے قابل بناتا ہے۔ دریں اثناء امریکی وزارتِ خزانہ کی رپورٹس ان سپلائی نیٹ ورکس کو بھی بے نقاب کرتی ہیں جن کے ذریعے دوہری استعمال کی حامل الیکٹرانک اشیاء اور ٹیکنالوجیز — جن میں مائیکرو چپس، مواصلاتی آلات، اور نیویگیشن سسٹمز شامل ہیں — ایران تک پہنچتی ہیں۔ بعد ازاں انہی ٹیکنالوجیز کو غیر روایتی فوجی صلاحیتوں، خصوصاً ڈرونز، کی تیاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس عمل میں براہِ راست ہتھیاروں کی منتقلی شامل نہیں، بلکہ ایسی "غیر واضح" قسم کی سپلائی چینز استعمال ہوتی ہیں جو باقاعدہ ضوابط سے کسی قسم کی قانونی خلاف ورزی کے بغیر، ٹیکنالوجی کو شہری اور فوجی استعمال کے لئے منتقل ہونے کی اجازت دیتی ہیں۔

امریکی حکام نے دی نیویارک ٹائمز کو یہ بھی بتایا کہ چینی کمپنیاں ایران کو دوہرے استعمال کا حامل مواد فراہم کر رہی ہیں، یعنی ایسا سامان جو سویلین اور فوجی دونوں طرح کے مقاصد کے لئے موزوں ہو۔ حکام کے مطابق چین ایران کے ساتھ ممکنہ جنگ کے حوالے سے محتاط پالیسی اختیار کیے ہوئے ہے، اور اپنے متعدد اسٹریٹجک مقاصد کے باعث اس نے کوئی واضح اور سخت مؤقف اختیار نہیں کیا۔

ٹیکنالوجی کے میدان میں چین کے بیدو نیویگیشن سیٹلائٹ سسٹم (BeiDou-BDS) کی توسیع عالمی طاقت کے ڈھانچے میں ایک گہری تبدیلی کی عکاسی کرتی ہے، جیسا کہ سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز کی تحقیقات میں بیان کیا گیا ہے۔

اب نیویگیشن سسٹمز کسی ایک طاقت کی اجارہ داری نہیں رہے، بلکہ وہ ایک ایسے کثیر القطبی دنیا کا حصہ بن چکے ہیں جو کسی براہِ راست مقابلہ کے بغیر عالمی سطح پر ٹیکنیکل طاقت کو تقسیم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم، چاہے امریکی انٹیلی جنس رپورٹس درست ہوں یا نہیں —جن کے مطابق خلیجی خطے میں امریکی فوجی اہداف کی سیٹلائٹ تصاویر چین نے ایران کو فراہم کی ہیں —اس تناظر میں چین کے کردار کو ایران کے لئے براہِ راست فوجی معاونت کے طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ یہ گلوبل طاقت کے ڈھانچے کو خود اسی نظام کے اندر رہتے ہوئے بتدریج از سرِ نو تشکیل دینے کا عمل ہے۔

یہاں اس امر پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے کہ تجارتی خلائی ٹیکنالوجی ایک دوہری استعمال کی حامل صلاحیت ٹیکنالوجی میں تبدیل ہو چکی ہے، جو خطے کے پیچیدہ تنازعات کے ماحول میں ضم کی جاسکتی ہے۔ اس صورتحال سے خطے میں انٹیلی جنس اور آپریشنل آگاہی کی نوعیت تبدیل ہو رہی ہے، اور ملٹری آپریشنز کے عین نشانوں پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ شاید یہی بات وہ حقیقت وضاحت کرتی ہے کہ واشنگٹن پوسٹ کے تجزیوں کے مطابق جنگ کے آغاز سے اب تک ایران امریکی فوجی تنصیبات پر 228 سے زائد عمارتوں یا آلات کو نقصان پہنچانے یا تباہ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

یوں دونوں ممالک کے مابین تعلقات کے یہ محرک، چین کی حکمتِ عملی میں ایران کے مؤقف سے جڑے ہوئے ہیں۔ بیجنگ اور تہران کے درمیان تعلق بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو کا ایک بنیادی ستون ہے، کیونکہ ایران وسطی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان ایک جغرافیائی سنگم کی حیثیت رکھتا ہے، اور انرجی و تجارت کے لئے ایک نہایت اہم گزرگاہ ہے۔ یہ صورتحال براہِ راست طور پر اس امریکی نظریے سے ٹکراتی ہے جو اپنی توسیع پسندانہ پالیسیوں کے تحت اسٹریٹجک گزرگاہوں پر غلبہ حاصل کرنے پر مبنی ہے۔ اور یہیں پر بنیادی تضاد سامنے آتا ہے: چین اس بحران میں ایک حریف ٹکر کی طاقت کے طور پر داخل نہیں ہوا، بلکہ ایک منتظم طاقت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ چین نے فوجی انداز میں طاقت کا توازن تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اس توازن کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرتے ہوئے اسے سیاسی طور پر استعمال کیا ہے۔ اور اسی صورتحال سے عالمی نظام میں طاقت کے فلسفے کے اندر موجود فرق کی عکاسی ہوتی ہے۔

روس اور ایران: سیاسی ہم آہنگی سے فوجی و صنعتی انضمام تک

اگرچہ چین اپنا اثر و رسوخ عالمی اقتصادی اور ٹیکنالوجیکل انفراسٹرکچر کے ذریعے استعمال کرتا ہے، لیکن روس طاقت کے منطق کی زیادہ واضح اور براہِ راست از سرِ نو تشکیل کی نمائندگی کرتا ہے، جو فوجی انضمام کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یوکرین کی جنگ کے بعد ماسکو اور تہران کے مابین تعلقات محدود تعاون سے آگے بڑھ کر ایک جدید فوجی و صنعتی انضمام کے ماڈل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ رائٹرز اور دیگر بین الاقوامی میڈیا اداروں کی رپورٹس کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ فار سائنس اینڈ انٹرنیشنل سکیورٹی کی تحقیقات، اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ایران کے (HESA Shahed 136) ڈرونز روسی فوج میں وسیع پیمانے پر استعمال ہوئے، اور بعد ازاں ان کی مقامی سطح پر تیاری بھی روس میں شروع کی گئی، جہاں انہیں تاتارستان کے صنعتی مراکز میں "Geran-2" کے نام سے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ تبدیلی صرف سپلائی کے مرحلے سے مشترکہ پیداوار کی طرف منتقلی نہیں ہے، بلکہ یہ تعلقات کے اس درجے کو ظاہر کرتی ہے جہاں محض باہمی فائدے کے بجائے جنگی ٹیکنالوجی کا گہرا اشتراک موجود ہے۔

اسی طرح امریکی محکمہ دفاع کی رپورٹس بھی گائیڈنس سسٹمز اور الیکٹرانک وارفیئر کے شعبوں میں تعاون کی نشاندہی کرتی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں فریقین کے درمیان محض روایتی خرید و فروخت کے بجائے حقیقی فوجی مہارت اور تکنیکی علم کا تبادلہ ہو رہا ہے۔

یوں روس اور ایران کے تعلقات بتدریج ایک ایسے عملی فوجی اتحاد کے ماڈل کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں جس کا مقصد بین الاقوامی نظام میں طاقت کے عناصر کی از سرِ نو تقسیم ہے، نہ کہ روایتی معنوں میں کسی اصولی یا سیاسی اتحاد کی تشکیل۔ اس تناظر میں روس کے صدر، ولادیمیر پیوٹن کا چین کا تاریخی دورہ اور 2 فروری، 2022ء کو ہونے والی چینی ہم منصب سے اس کی ملاقات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جہاں دونوں ممالک نے ایک مشترکہ اعلامیے میں امریکی بالادستی کے مقابلے میں اپنے مؤقف کے اتحاد کا اعلان کیا، بین الاقوامی کثیر القطبی (multipolarity) کی حمایت کی، اور کہا کہ بین الاقوامی تعلقات کے ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔

امریکہ اور چین: باہمی کشیدگی کی حدود کے اندر بالادستی

بین الاقوامی نظام میں طاقت کے متعدد مراکز کی بتدریج تشکیل کے مقابلے میں امریکہ اپنے لئے سب سے بڑی عسکری اور ٹیکنیکل پاور کے طور پر اپنی حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم امریکہ کی یہ بالادستی اب ویسی حتمی نہیں رہی جیسا کہ

1990ء کی دہائی میں تھی، اور بین الاقوامی امور سے متعلق باشعور حلقوں کے لئے امریکہ کا زوال اب کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں رہی۔

2022ء سے 2024ء کے دوران رینڈ کارپوریشن (RAND Corporation) کے تجزیوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ بھرپور شدت کے جنگی منظرناموں کے لئے امریکہ کی عسکری ذمہ داریوں اور امریکہ کی دفاعی صنعت کی پیداواری صلاحیت کے درمیان فرق بڑھ رہا ہے، خصوصاً گولہ بارود اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں کے شعبے کی پیداواری صلاحیت میں۔ رینڈ کارپوریشن کے مطابق دنیا اب "جنگ کی حد سے نیچے مسلسل مسابقت" کے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم تشخیص ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ براہ راست جنگ کی صورت حال نہیں ہے لیکن تصادم مسلسل جاری ہے، جبکہ نیوکلیئر تصادم سے بھی بچاؤ برقرار ہے۔ اور باہمی کشمکش کی یہ طرز یقیناً ایک ایسی تھکن پیدا کر رہی ہے جو اس صورتحال میں شامل تمام بڑی طاقتوں کو بتدریج کمزور کر رہی ہے، خصوصاً امریکہ کو، جو لڑکھڑاتی ہوئی مغربی تہذیب کا دفاع کرنے کا دعویدار ہے۔

سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز (CSIS) کی تحقیقات کے مطابق جدید جنگ کی نوعیت، جس میں کم لاگت والے ڈرونز اور کم لاگت والے سسٹمز کا وسیع استعمال شامل ہے، امریکی روایتی اور مہنگے عسکری ماڈل کی برتری پر مزید دباؤ ڈال رہی ہے۔ امریکہ کو اس وقت ٹیکنالوجی، سپلائی چینز، خلائی نظام، آرٹیفشل انٹیلیجنس اور جغرافیائی سیاسی اثر و رسوخ سمیت متعدد محاذوں پر بیک وقت مقابلہ آرائی کا سامنا ہے۔

اسی طرح، بروکنگز انسٹیٹیوشن کا مؤقف ہے کہ امریکی چیلنج اب صرف عسکری نوعیت کا نہیں رہا، بلکہ یہ ایک بنیادی نوعیت کا مسئلہ بن چکا ہے، جس میں چین کے ساتھ بڑھتی ہوئی مسابقت اور روس کے دوبارہ ایک طاقتور فوجی قوت کے طور پر ابھرنے کے دوران امریکہ کے عالمی سطح کے عزائم کے ایک وسیع نیٹ ورک کو بیک وقت سنبھالنا شامل ہے۔ اور روس کی طاقت کی موجودہ کیفیت ایسی ہے کہ جسے یوکرینی دلدل میں کمزور کرنے کی تمام مغربی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹجک اسٹڈیز (IISS) کا یہ مؤقف ہے کہ اگرچہ امریکی بالادستی برقرار ہے، لیکن اب یہ مستحکم اجارہ داری کو برقرار رکھنے کے لئے کافی نہیں رہی۔ اس کے بجائے یہ ایک ایسی بالادستی بن کر رہ چکی ہے جس کا انحصار اس صلاحیت پر ہے کہ امریکہ اپنے اسٹریٹجک پھیلاؤ کو صرف مؤثر طریقے سے منظم کرتا رہے۔

نیز یہ کہ، مئی 2026ء میں نیو یارک ٹائمز اور فارن پالیسی میں شائع ہونے والے تجزیے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عالمی طاقت کے ڈھانچے میں جاری تبدیلیاں محض یک قطبی نظام (unipolar system) کے اندر بتدریج ایڈجسٹمنٹ نہیں ہیں، بلکہ یہ اجارہ داری کے تصور کی دھیرے دھیرے سے ازسرِ نو تشکیل کے گہرے اشارے ہیں۔

چنانچہ ایک طرف تو امریکی پالیسیاں ایسے وعدوں اور خارجی عزائم میں توسیع کو ظاہر کرتی ہیں جو بعض اوقات امریکہ کی خود اپنی اس صلاحیت سے ہی تجاوز کر جاتی ہیں کہ ان عزائم کو مؤثر طریقے سے منظم کیا جا سکے، اور اس حقیقت سے (امریکہ جیسی) غالب طاقت کے لئے اسٹریٹیجک تھکن میں اضافہ اور اس روایتی بالادستی ماڈل کے اثرات میں ماند پڑتی ہوئی کمی صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف، اپنے سیاسی نظریات اور معاشی اثر و رسوخ (soft power) پر انحصار میں کمی اور سخت اور جابرانہ طاقت کے استعمال میں اضافہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں دیگر ممالک پر اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کی وہ صلاحیت کمزور ہو رہی ہے جو کشش اور قبولیت پر مبنی تھی۔ یہ صورتحال اس لبرل نظام کے ستونوں میں سے ایک بنیادی ستون کو کمزور کر رہی ہے جس کی قیادت سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے امریکہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ امریکہ کی ساکھ متاثر ہوئی ہے اور بتدریج گرتی چلی جا رہی ہے، اور آبنائے ہرمز کے بحران کے بعد سے تو اس زوال میں تیزی آگئی ہے، جو کہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے عالمی رائے عامہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ اور اس کے نتیجے میں جرمن چانسلر نے یہ بیان دیا کہ واشنگٹن کو ایرانی مذاکرات کاروں کے ہاتھوں سبکی ہوئی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کشیدگی بھرے تناظر میں ایران کے بارے میں امریکی پالیسی طویل المدتی اسٹریٹیجک کنٹرول کے اصول کا براہِ راست تسلسل نظر آتی ہے۔ خبر رساں ادارے، رائٹرز نے 2 مئی، 2026ء کو وائٹ ہاؤس کے ایک اہلکار کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ایران پر عائد پابندیوں کو مزید کئی ماہ تک بڑھانے کی تجویز دی ہے، جس کا مقصد ایران کی اپنے تیل کی برآمدات کو محدود کرنا اور تہران کو ایک نئے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ یہ پالیسی مسلسل امریکی دباؤ کے ماحول میں سامنے آئی ہے، اور یورپی سفارتی تجزیے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کسی فوری پیشرفت کے بغیر اس موجودہ صورتحال کے طویل عرصے تک جاری رہنے کا امکان ہے۔ یوں اس طرح ٹرمپ نے کسی حتمی اور جامع معاہدے تک پہنچنے کی امید میں ایرانی نمائندگان کے

ساتھ عسکری پریشر کے علاوہ سفارتی پریشر کے بھی ہر ممکن ذرائع استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے، تاہم اسے کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی ہے۔

بہر حال یہ پیش رفت یعنی پابندیوں میں توسیع کرنا، کوئی الگ تھلگ واقعہ نہیں بلکہ ایک مسلسل اسٹریٹجک معیار کی عکاسی کرتی ہے، جو کسی تنازع کو "غیر واضح زون" میں رہتے ہوئے پابندیوں کی آڑ میں منظم کرنے پر مبنی ہے—یعنی براہِ راست جنگ میں کودے بغیر پریشر کو برقرار رکھنا، لیکن تعلقات کو مکمل طور پر مستحکم بھی نہ ہونے دینا۔ اس کے باوجود ٹرمپ انتظامیہ کو ایران کے خلاف دو مرتبہ براہِ راست فوجی کارروائیوں کا سہارا لینا پڑا، یعنی آپریشن مڈنائٹ ہیمر (2015ء کے موسم گرما میں) اور آپریشن ایپک ریتھ-Epic Wrath (2016ء کے موسم بہار میں)، لیکن پھر بھی امریکہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہا، بالکل اسی طرح جیسے وہ مذاکرات کے ذریعے بھی کامیاب نہ ہو سکا، جو کہ اکثر و بیشتر فریب دہی پر مبنی سیاسی چال ہوتے ہیں اور فوجی اہداف کو مخفی رکھنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

یکے بعد دیگرے کی انہی ناکامیوں نے ٹرمپ کو مجبور کیا کہ وہ "خفت زدہ چہرہ" کے ساتھ ایک ایسے سربراہی اجلاس کے لئے چین کا دورہ کرے جس کو اس جنگ کے باعث پہلے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ایران کا مسئلہ اور آبنائے ہرمز اس ملاقات کے مرکزی موضوعات ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو یہ ایک ایسا سربراہی اجلاس ہو گا جو اس چین کے سامنے ایک "التجا" کی شکل ہو گا جو کہ ایک ثالث کے طور پر کشیدگی کم کرنے اور تنازعات حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ صورتحال مشرقِ وسطیٰ کے بحرانوں کو سنبھالنے اور انہیں منظم کرنے کے حوالے سے ایک گہری اور غیر معمولی کمزوری کی عکاسی کرتی ہے۔

اس کے باوجود ٹرمپ نے اپنے چین کے دورے کو انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا، اور کہا کہ بیجنگ کے ساتھ معاملات بہت بہتر جا رہے ہیں، یا پھر کم از کم وہ ایسا ظاہر کر رہا تھا—جو کہ وائٹ ہاؤس میں چھوٹے کاروباری سربراہی اجلاس کے دوران اس کے مؤقف سے ظاہر ہوا۔

وائٹ ہاؤس کے مطابق یہ باضابطہ ملاقات 14 اور 15 مئی کو طے تھی۔ سی این این کے متعدد ذرائع کے مطابق، بیجنگ نے اس سربراہی اجلاس کو ایک ایسے منفرد موقع کے طور پر لیا تا کہ اس کے ذریعے سے اپنے سب سے بڑے اقتصادی اور عسکری حریف کے ساتھ مزید مستحکم طویل المدتی تعلقات قائم کئے جا سکیں۔

ان تبدیلیوں کے تناظر میں جو کچھ ہم رونما ہوتا دیکھ رہے ہیں، وہ کوئی نئی سرد جنگ نہیں، بلکہ ایک زیادہ تغیر پذیر اور غیر متعین نوعیت کے کثیر القطبی نیٹ ورک کی طرف ایک تاریخی تبدیلی ہے۔ نیز یہ کہ، مشرقی طاقتوں کا اٹھنا اور مغربی طاقتوں کا زوال بین الاقوامی نظام کے ڈھانچے میں کسی بنیادی تبدیلی یا اس کی بنیادوں کے انہدام کے مترادف نہیں، چاہے عالمی قانونی حیثیت میں کمی، عالمی قانون پر اعتماد کا زوال، اور ویسٹ فیلین نظام کو درپیش چیلنجز کتنے ہی بڑھ جائیں — خصوصاً گرین لینڈ تنازع کے بعد۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اپنے اندر اور اسی کے زیرِ سایہ ہونے والی کشمکش نہ تو اس نظام کو ختم کرتی ہے اور نہ ہی اس کے غیر منصفانہ قوانین کو بدلتی ہے۔

اس کے برعکس، یہ نظام اپنی مجموعی شکل میں برقرار رہتا ہے اور بڑے سرمایہ داروں کے مفادات اور بین الاقوامی مفادات کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ اس نظام کی کارکردگی میں کمی آجانے کا لازمی یہ مطلب نہیں کہ یہ اس کے فوری منہدم ہونے کی علامت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صلاحیت کمزور ہو گئی ہے اور وہ بڑھتی ہوئی انسانی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام ہو رہا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات بنیادی ضروریات کو بھی، جن میں غذائی تحفظ اور داخلی امن شامل ہیں، جو جامع استحکام کی بنیادی شرائط ہیں۔ اس تناظر میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ نوعِ انسانیت کو مکمل استحکام صرف ایک ایسے الہامی نظام کے تحت ہی ممکن ہے جو انسانی مسائل کو انسان کی حیثیت سے حل کرتا ہو اور اس خطرناک اسٹریٹجک خلا کو پر کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ * الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ**﴾ "پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف میں امن دیا" (سورۃ القریش: 106:4)

یہ کیفیاتی تبدیلی، جو کہ خود اس سرمایہ دارانہ نظام کی اپنی فطرت کے باعث اور پھر اس نظام کے اندر امریکی پالیسیوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، بین الاقوامی تعلقات کے ممتاز نظریہ سازوں کی نظروں سے اوجھل نہیں رہی۔ چارلس کراتھامر (Charles Krauthammer) نے یک قطبیت unipolar moment کو ایک استثنائی تاریخی مرحلہ قرار دیا ہے، نہ کہ ایک مستقل نظام۔ فرید زکریا کے مطابق دنیا امریکہ کے زوال کے بجائے "دوسروں کے اٹھ کھڑے ہونے" کا مشاہدہ کر رہی ہے، یعنی طاقت کی عالمی سطح پر دوبارہ تقسیم۔ گراہم ایلیسن (Graham Allison) نے "Thucydides Trap" کا تصور پیش کیا تاکہ ابھرتی ہوئی اور غالب

طاقتوں کے مابین بنیادی ٹکر کو واضح کیا جا سکے۔ ہنری کسنجر نے 2023ء کے اواخر میں اپنی موت سے قبل سب سے درست اور واضح تجزیہ پیش کیا، جس میں اس نے کہا کہ عالمی نظام ایک عبوری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے جہاں پرانا نظام قابلِ عمل نہیں رہا لیکن نیا نظام ابھی تشکیل نہیں پایا۔ پال کینیڈی کا نظریہ اب بھی بڑی طاقتوں کے عروج و زوال کے حوالے سے ایک بنیادی حوالہ سمجھا جاتا ہے، جس میں اس نے واضح کیا کہ جب کسی ریاست کے ملٹری عزائم اس ریاست کی معاشی استعداد سے بڑھ جائیں تو اسٹریٹجک ناکامی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ گویا اس نکتہ سے شاید یہ واضح ہوتا ہے کہ آخر کیوں حال ہی میں امریکہ نے اپنے بیرونی ملٹری عزائم میں کمی کر دی ہے، جس میں NATO سے ممکنہ دستبردار ہونے کا عندیہ اور یورپ کے ممالک جیسے جرمنی، اٹلی اور اسپین سے فوجی انخلاء کی باتیں شامل ہیں۔

تاہم یورپی ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ ٹرمپ کی NATO سے نکلنے کی دھمکی حقیقت میں سنجیدہ نہیں ہے۔ جرمن چانسلر فریڈرک مرز (Friedrich Merz) نے کہا کہ اختلافِ رائے کے باوجود امریکہ اس نیٹو اتحاد کا ایک بنیادی ستون ہے، اور اس نے واشنگٹن کی جانب سے جرمنی میں فوجیوں کی تعداد میں کمی کے اعلان کے بعد ٹرمپ کے ساتھ کشیدگی کو کم اہم قرار دیا۔ جرمن نشریاتی ادارے ARD کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مرز نے مزید کہا کہ، "میں اب بھی اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ امریکی ہمارے لئے شمالی اوقیانوسی اتحاد (NATO) میں سب سے اہم پارٹنر ہیں"۔

سرمایہ دارانہ نظام چند سرمایہ داروں کی خدمت کے لئے ہی بنایا گیا تھا، جس کے نتیجے میں عوام پر بے پناہ مصائب، جنگیں اور وبائیں مسلط ہوئیں، جبکہ وہ محنت اور مشقت کے باوجود صرف بدحالی اور تکالیف ہی جھیل رہے ہیں۔ دنیا تب تک اپنے ہی وسائل اور دولت سے لٹتی رہے گی، اپنی مرضی سے عاری، اور اپنے وقار سے محروم رہے گی جب تک کہ یہ نظام زوال پذیر نہیں ہو جاتا جس نے پوری انسانیت کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے اور بہر حال یہ صورتحال اس نظام کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ**﴾ "ان سے پہلے لوگوں نے بھی منصوبے بنائے، مگر اللہ نے ان کی عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگائی، پھر چھت ان پر اوپر سے گر پڑی، اور عذاب ان پر وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا" [سورۃ النحل؛16:26]۔ اس لئے ہم ایک ایسے عبوری مرحلے سے گزر رہے ہیں جس میں بڑی طاقتیں سیاسی طور پر ایک دوسرے کے مقابل متوازن بھی ہیں اور مجبوری کے تحت ایک دوسرے کے قریب بھی آ رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے، ﴿**بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ**

شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعاً وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ﴾ "ان کے درمیان آپس کی دشمنی شدید ہے، تم انہیں متحد سمجھتے ہو مگر ان کے دل جدا جدا ہیں" [سورۃ الحشر؛59:14]۔ یہ صورتحال امتِ مسلمہ کے لئے ایک سخت آزمائشی مرحلے کے ساتھ ہم آہنگ ہے، جبکہ امت ایک ایسی عالمی تبدیلی کے دور کی تیاری میں ہے جس کی بنیاد اس کے عقیدے اور اسلامی فکر پر مبنی تہذیبی وژن پر ہوگی، کیونکہ یہی وہ امت ہے جو نیکی (المعروف) کا حکم دیتی ہے اور برائی (المنکر) سے روکتی ہے، اور صرف یہی امت ہی ہے جو کہ سرمایہ دارانہ ممالک سے باگیں چھین لینے اور انسانیت کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لانے کی واحد تہذیبی اور سیاسی متبادل صلاحیت رکھتی ہے۔

خلاصہ: ایک ایسا عالمی نظام جو تشکیل پا رہا ہے مگر ابھی مکمل نہیں ہوا

تاہم اس نئے ابھرتے ہوئے نظام کے مرکز میں امریکہ بدستور عالمی نظام کی سب سے بڑی عسکری طاقت کے طور پر قائم ہے، جس کے پاس وسیع ترین سکیورٹی اتحادوں کا نیٹ ورک موجود ہے، خاص طور پر NATO اتحاد۔ البتہ آج کی صورتحال میں امریکہ کی یہ بالادستی ویسی نہیں رہی جیسا کہ سرد جنگ کے بعد والے دور میں مطلق رہی تھی۔ امریکہ اب اسٹریٹجک کھنچاؤ اور متعدد محاذوں کے اندر محدود کام کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں اس کی ریاست کے لئے جغرافیائی سیاسی دباؤ اور اسٹریٹجک تھکن کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ واشنگٹن اب ایک واحد حریف کا سامنا نہیں کر رہا بلکہ بیک وقت متعدد چیلنجز سے دوچار ہے: چین کا ایک بڑی اقتصادی اور ٹیکنالوجیکل طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آنا جو کہ اپنا جھنڈا سامنے لائے بغیر بھی میدانِ جنگ کا پانسہ پلٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ روس کی ایک فعال فوجی کھلاڑی کے طور پر واپسی جو دوبارہ سے یورپی توازن پر اثر انداز ہونے کے قابل ہے؛ اور ایران جیسی علاقائی طاقتوں کا بڑھتا ہوا کردار، جو صرف ایک روایتی ریاست نہیں بلکہ اثر و رسوخ کے نیٹ ورک کے طور پر مختلف میدانوں میں کام کر رہی ہیں، اور یہ سب عوامل ٹرانس اٹلانٹک اتحادوں کی کمزوری کے برعکس ہیں۔

اس تناظر میں چین عالمی اقتصادی طاقت کا نیا مرکز ہے۔ چین امریکہ کے ساتھ براہِ راست عسکری ٹکر کے ذریعے مقابلہ نہیں کرتا، بلکہ عالمی معیشت کے بنیادی ڈھانچے، سپلائی چینز، ٹیکنالوجی اور مالیاتی نظام کو از سرِ نو تشکیل دے کر اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے۔ مواصلاتی منصوبوں، ڈیجیٹل انفراسٹرکچر، اور متبادل نیویگیشن سسٹمز جیسے ذرائع کے ذریعے بیجنگ موجودہ عالمی نظام کے اندر ہی رہتے ہوئے اپنا اثر رسوخ وسیع کرنا چاہتا ہے، نہ کہ اس عالمی نظام سے الگ ہو کر۔ یوں وہ ایک ابھرتی ہوئی طاقت کے طور پر اسی نظام کے اندر اپنی جگہ بنا رہا ہے، نہ کہ اس نظام کے باہر رہ کر۔

جبکہ اس کے برعکس، روس ایک ایسی خلل انداز طاقت کے ماڈل کی نمائندگی کرتا ہے جو اقتصادی برتری کے بجائے عسکری طاقت، مقابلہ آرائی کی صلاحیت اور اسٹریٹیجک خطوں میں عدم استحکام برقرار رکھنے پر انحصار کرتا ہے۔ اور یہ بات ان حقائق سے واضح ظاہر ہوتی ہے کہ یوکرین میں روس نے باضابطہ چڑھائی کی اور موجود ہے، شام میں روس کی عسکری موجودگی جو اگرچہ کم ہو رہی ہے لیکن بہرحال موجود ہے، اور لیبیا اور بعض ساحلی افریقی ممالک میں روس کی مختلف نوعیت کی بالواسطہ دراندازی سے ظاہر ہوتی ہے۔ روس کی یہ اثر انگیزی ایک کثیر الجہتی انداز رکھتی ہے، جس میں محدود فوجی موجودگی، غیر رسمی سکیورٹی نیٹ ورکس، اور سیاسی عناصر پر روس کی بدلتی ہوئی اثر اندازی شامل ہے۔

اس کے برعکس ایران ایک بالکل مختلف ماڈل کی نمائندگی کرتا ہے، جو ایک مرکزی ریاستی ڈھانچے کے ساتھ غیر روایتی اور غیر متوازی ریجنل نیٹ ورک کو مجتمع کئے ہوئے ہے۔ ایران صرف اپنی سرحدوں کے اندر رہتے ہوئے ہی کام نہیں کرتا بلکہ سیاسی و عسکری توسیعات کے ذریعے بھی اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ عراق، لبنان، یمن اور دیگر خطوں میں ایران کی دخل اندازی کا معاملہ ہے، اور یوں اس طرح سے ایران ایک "مؤثر مثالی کردار" کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایران اور خلیج کے مخصوص معاملے میں امریکہ کی اسٹریٹیجک وجہ صرف ریاستی ملکیت کے تصور تک محدود نہیں، بلکہ اس کا مرکز یہ ہے کہ خطے کی کسی بھی طاقت کو اس قابل نہ ہونے دیا جائے کہ وہ اپنی حساس جغرافیائی پوزیشن، خصوصاً آبنائے ہرمز پر بالواسطہ اثر و رسوخ کو ایسے "جیوپولیٹیکل بلیک میل" کے طور پر استعمال کر سکے جو گلوبل انرجی اور تجارتی نقل و حمل پر اثر انداز ہو سکے۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ خطہ استعماری طاقتوں کے کنٹرول سے نکل کر مقامی لوگوں کے ہاتھ میں نہ آ جائے، جس سے وہ طاقت کی باگیں اپنے قابو میں کر لیں اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنے مخالفین پر بساط پلٹ دینے کے قابل ہو جائیں۔

ایران، جو کہ محل وقوع کے اعتبار سے جنوب میں خلیج فارس، خلیج عمان اور بحیرۂ عرب پر واقع ہے، اور شمال میں وسطی ایشیا اور قفقاز تک براہِ راست رسائی رکھتا ہے، یوں اس طرح ایران انرجی، تجارت اور بڑے تنازعات کے عین سنگم پر موجود ہے اور یہ خطہ ایک انتہائی اہم اسٹریٹیجک حیثیت کا حامل ہے۔ اسٹریٹیجک اعتبار سے یہ خطہ روس کے لئے ایشیا کی طرف اور حتیٰ کہ مشرق وسطیٰ تک کا توسیعی راستہ بھی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس کے اور روس کے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹیں جیسے سمندر یا بڑے آبی ذخائر موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح چین کے لئے بھی یہ خطہ "بیک ڈور" کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس خطے کی اکثریت مسلم آبادی پر مشتمل ہے، اس لئے چین

کو خدشہ رہتا ہے کہ اس کا اثر اس کے سنکیانگ (مشرقی ترکستان) کے مسلمانوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی اسٹریٹجک اہمیت کے باعث امریکہ نے سوویت یونین کے انہدام کے بعد سے اس خطے میں داخل ہونے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے تاکہ ایک طرف تو روس کو محدود کیا جائے، اور دوسری طرف چین کو گھیر کر اس کی توسیع کو روکا جائے کہ وہ اپنے اطراف میں اثر انداز نہ ہونے پائے۔

اس طاقت کے کھیل کے تناظر میں یورپ ایک منفرد مقام رکھتا ہے، خصوصاً امریکہ کی جانب سے بڑھتے ہوئے پریشر کے مقابلے میں۔ یورپ ایک بڑی معاشی طاقت ہے جس کے پاس نمایاں مالی اور صنعتی طاقت موجود ہے، لیکن اسی دوران یورپ سکیورٹی کے معاملے میں NATO کے ذریعے سے امریکہ پر شدید انحصار کرتا ہے۔ اور یہی وہ صورت حال ہے جو یورپ کو اسٹریٹجک لحاظ سے ایک نامکمل طاقت بنا دیتی ہے —یعنی معاشی طور پر تو مؤثر مگر عالمی منظر نامے پر عسکری اور سیاسی طور پر ایک غیر مکمل طاقت۔ اگرچہ یورپ کے کچھ ممالک، جیسے فرانس اور جرمنی، یورپین اسٹریٹجک خود مختاری کا تصور قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن یہ منصوبہ یورپ کی ترجیحات میں اندرونی اختلافات اور امریکہ کی سکیورٹی چھتری کے سائے تلے منحصر ہونے کی وجہ سے محدود ہے۔

یوں اس منظر نامے میں یورپ روایتی معنوں میں ایک آزاد طاقت کے طور پر سامنے نہیں آتا، بلکہ ایک ایسے معاشی مرکز کے طور پر ضرور موجود ہے جو سکیورٹی کے ایک ایسے نظام کا حصہ ہے جس کی قیادت کا کردار کوئی اور ریاست کر رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یورپ ایک ایسا اہم میدان ہے جہاں بڑی طاقتوں کے مابین ہونے والی کشمکش کے اثرات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، خصوصاً توانائی اور یورپی سکیورٹی کے معاملے میں، جو کہ یوکرین کی جنگ اور روس کے ساتھ تعلقات کی از سرِ نو تشکیل سے براہِ راست جڑے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں یورپ کی قومی سلامتی اپنے وسیع مفہوم میں ایک مستقل خطرے کی حالت سے دوچار دکھائی دیتی ہے۔

جب ان تمام عناصر کو یکجا کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ موجودہ بین الاقوامی نظام نہ تو واضح طور پر دو قطبی نظام (bipolar) ہے، اور نہ ہی ایک مستحکم کثیر قطبی نظام (multipolar) ہے، بلکہ یہ ایک ملاجلا اور عبوری ساخت پر مبنی ہے، یعنی: امریکہ عسکری طاقت اور اتحاد کے مرکز کے طور پر ہے، چین بطور ابھرتی ہوئی معاشی طاقت ہے، روس بطور ایک خلل انداز عسکری قوت، ایران اس نیٹ ورک کا ایک اہم علاقائی کردار ہے، اور یورپ بطور ایک ایسی معاشی طاقت ہے جس کی اسٹریٹجک خود مختاری نامکمل ہے۔ یوں اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں ایک باہمی مربوط گلوبل نظام میں طاقت کی غیر

مکمل از سرِ نو تقسیم جاری ہے، جس میں کسی کے پاس حتمی اور مکمل کنٹرول ہونا اب ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو مکمل چھوٹ اور آزادی ہے۔ اس کے بجائے طاقت کے توازن گہرے باہمی انحصار اور مسلسل مسابقت کے اندر تشکیل پا رہے ہیں، گویا ہم تاریخ کے ایک معلق مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اور در حقیقت، اس صورتحال میں مسلم دنیا کے لئے ایک تاریخی اور سنہری موقع ہے کہ وہ اپنی چھینی ہوئی اتھارٹی واپس حاصل کر لے، عالمی سطح پر اپنا مرکزی کردار دوبارہ قائم کرے، اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو فعال کر کے ایک نیا بین الاقوامی نظام تشکیل دے جو انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریوں سے نجات دلائے گا۔

آخر میں نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ اور چین ایک ایسی باطل تہذیب کے عروج کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ آرائی کر رہے ہیں جو اس بحران زدہ دنیا میں ہر سطح پر اور ہر پہلو سے خود بحران کا شکار ہے۔ خلافتِ راشدہ، جو دنیا بھر میں خیر و بھلائی پھیلائے گی، اللہ کے اذن سے جلد ہی واپس آئے گی۔ یہ امر نہ صرف تاریخی طور پر ناگزیر ہے بلکہ نظریاتی حقیقت بھی ہے، جس کا اعلان دنیا کے ہر گوشے میں موجود سیاسی حقائق کر رہے ہیں، کیونکہ انسانیت ایک ایسی راہ کی تلاش میں ہے جو اسے سرمایہ دارانہ نظام کے فریب، مصیبت اور بدحالی سے نجات دے سکے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ، حزب التحریر کی قیادت میں ایک واضح فتح کے لئے منتظر ہے جو اللہ کے اذن سے اس امت کی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے، ایسی فتح جو حقیقی طور پر تب مکمل ہو گی جب اسراء و معراج کی سرزمین، بابرکت و مقدس فلسطین، یہود کی نجاست سے آزاد ہو جائے گی اور روم کو فتح کیا جائے گا، جیسے قسطنطنیہ فتح ہوا تھا، **ان شاء اللہ!** اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ **"اور اس دن اہلِ ایمان خوش ہوں گے * اللہ کی مدد سے۔ وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے، اور وہ غالب، نہایت رحم کرنے والا ہے"** [سورۃ الروم؛30:4-5]

فہرست

گریٹر مڈل ایسٹ کے اندر امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کرو، جو مسلمانوں کے گھر میں ایک سانپ کی مانند ہے!

مصعب عمیر، ولایہ پاکستان

عالمِ اسلام پر امریکہ کی جانب سے مسلط کردہ حالیہ جنگوں کے جائزے سے، جو کہ 2001 میں افغانستان سے لے کر 2026 میں ایران تک پھیلی ہوئی ہیں، یہ بات عیاں ہے کہ امریکی فوج 'گریٹر مڈل ایسٹ' کے اندر ایک وسیع فوجی ڈھانچے کے بغیر مسلمانوں سے لڑنے کی ہرگز اہلیت نہیں رکھتی۔ 'گریٹر مڈل ایسٹ' وہ نام ہے جو امریکی سٹریٹجک ماہرین اور پالیسی سازوں نے مشرقِ وسطیٰ کے عرب خطے اور اس میں پاکستان اور افغانستان کے اضافے کے بعد دیا ہے۔ امریکہ کے لیے گریٹر مڈل ایسٹ میں اپنے اڈے اور بندرگاہیں برقرار رکھنا ایک انتہائی اہم ترجیح ہے، کیونکہ امریکی مشرقی ساحل اور نہر سویز کے درمیان، اور امریکی مغربی ساحل اور آبنائے ہرمز کے درمیان سمندری مواصلاتی راستے (SLOCs) انتہائی طویل اور ہر وقت خطرے کی زد میں ہیں۔ امتِ مسلمہ کے لیے امریکی فوجی ڈھانچہ ایک ایسے سانپ کی مانند ہے جو اس کے اپنے گھر کی گہرائیوں میں چھپا بیٹھا ہے، جسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے، کیونکہ ٹرمپ ایک ایک کرکے ہر مسلم ملک کو ڈس رہا ہے تاکہ وہ امریکی مفادات کے مطابق مسلم دنیا کو پرتشدد طریقے سے ایک نئی شکل دے سکے۔

گریٹر مڈل ایسٹ میں امریکہ کو فوجی ڈھانچے کی ضرورت

جہاں تک امریکی مشرقی ساحل کا تعلق ہے، تو ورجینیا میں واقع 'نیول اسٹیشن نورفولک' دنیا کا سب سے بڑا بحری اڈہ اور امریکی بحر اوقیانوس کے بیڑے (Atlantic Fleet) کا بنیادی کمانڈ سینٹر ہے۔ فورڈ کلاس کا ایک طیارہ بردار بحری جہاز تقریباً 30 ناٹس کی زیادہ سے زیادہ رفتار حاصل کر سکتا ہے، جو کہ تقریباً 35 میل فی گھنٹہ بنتی ہے۔ ورجینیا کے نیول اسٹیشن نورفولک سے روانہ ہونے والے جہازوں کو نہر سویز تک پہنچنے کے لیے 5,000 سے 5,500 بحری میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان جہازوں کو تنگ نہر، بحیرہ احمر اور خلیج کی نہر سے گزر کر بحیرہ عرب تک پہنچنا ہوتا ہے، جہاں امریکی فوج مشرقِ وسطیٰ میں اپنی کارروائیاں کرتی ہے۔ اس طرح، 35 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرنے والا امریکی بحریہ کا ایک سپر کیریئر امریکہ سے مشرقِ وسطیٰ تک 10 دن سے بھی کم وقت میں پہنچ سکتا ہے، بشرطیکہ اسے روایتی یا غیر روایتی (asymmetric) بحری افواج کی جانب سے کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جہاں تک امریکی

مغربی ساحل کا تعلق ہے، 'نیول بیس سان ڈیاگو' امریکی بحرِ الکاہل کے بیڑے (Pacific Fleet) کا بنیادی ٹھکانہ اور سطحِ سمندر پر چلنے والے بحری جہازوں کا دنیا کا دوسرا بڑا اڈہ ہے، جو بحری راستے کے لحاظ سے آبنائے ہرمز سے تقریباً 8,000 سے 8,500 بحری میل کے فاصلے پر واقع ہے؛ جبکہ تمام بحری راستوں کو بحرا لکاہل اور بحر ہند سے گزرنا پڑتا ہے، جس کے لیے امریکی بحریہ کے جہازوں کو عام طور پر 10 سے 14 دن درکار ہوتے ہیں۔ یہاں بھی یہ فرض کیا گیا ہے کہ روایتی یا غیر روایتی بحری افواج کسی بھی مرحلے پر اس پیش قدمی کو چیلنج نہیں کرتیں۔

چنانچہ، امریکی سرزمین سے مسلم دنیا کے قلب تک سمندری مواصلاتی راستے (SLOC) طویل ہیں، لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یہ انتہائی غیر محفوظ ہیں اور بہت سے مسلم ممالک کی زد (striking distance) میں سے گزرتے ہیں، جن میں مصر، پاکستان اور انڈونیشیا جیسے بڑے لشکر رکھنے والے ممالک کے ساتھ ساتھ یمن اور صومالیہ جیسی انتہائی پرجوش غیر روایتی افواج رکھنے والے ممالک بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت کی سطح پر ایک مستقل بحری قوت کی موجودگی امریکی فوجی طاقت کو مؤثر طریقے سے اس کے اپنے وطن اور قریبی علاقوں کے دفاع تک محدود کر سکتی ہے، جیسا کہ منرو ڈاکٹرائن کے حوالے سے ٹرمپ کے نتائج (Trump Corollary) میں ہے، اور اسے مسلمانوں کے ممالک سے دور رکھ سکتی ہے۔ ایسی کسی بھی عسکری قوت کے پاس ہنگامی منصوبے (contingencies) ہونے چاہئیں تاکہ جب امریکہ کی جانب سے بحری تیاریوں میں تیزی آئے، تو کسی بھی حملے کو اس کے ہدف تک پہنچنے سے بہت پہلے روکا جا سکے یا اس کی شدت کو محدود کیا جا سکے۔

مشرقِ وسطیٰ میں امریکی ڈھانچے کے اہم اثاثے

گریٹر مڈل ایسٹ پر اپنا غلبہ برقرار رکھنے اور اسے اپنے مفادات کے مطابق نئی شکل دینے کے لیے، امریکہ اس خطے میں ایک وسیع فوجی ڈھانچے پر انحصار کرتا ہے، تاکہ کسی بھی مسلم ملک کے ساتھ فعال جنگ کے دوران اپنے مواصلاتی راستوں (Lines of Communication) کی طوالت اور ان کے خطرے کی زد میں ہونے کے پہلو کو کم کر سکے۔ مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کے اہم اڈے اور اثاثے درج ذیل ہیں:

- بحرین میں امریکی بحریہ کے پانچویں بیڑے (5th Fleet) کا ہیڈ کوارٹر۔

- قطر کے دارالحکومت دوحہ کے باہر صحرا میں واقع 24 ہیکٹر پر محیط 'العدید ایئر بیس'، جو امریکی سینٹرل کمانڈ (CENTCOM) کا فارورڈ ہیڈ کوارٹر ہے اور یہاں تقریباً 10,000 فوجی مقیم ہیں۔
- کویت میں امریکی آرمی سینٹرل کا فارورڈ ہیڈ کوارٹر 'کیمپ عارفجان'۔
- کویت میں واقع 'علی السالم ایئر بیس'۔
- کویت میں 'کیمپ بوہرنگ'؛ متحدہ عرب امارات کے دارالحکومت ابوظہبی کے جنوب میں واقع 'الظفرہ ایئر بیس' جو امریکی فضائیہ کا ایک انتہائی اہم اڈہ ہے۔
- عراق کے مغربی صوبے انبار میں 'عین الاسد ایئر بیس'؛ اور شمالی عراق میں واقع 'اربیل ایئر بیس' جو امریکی افواج کے ایک مرکز (hub) کے طور پر کام کرتا ہے۔
- سعودی عرب کے شہر ریاض سے تقریباً 60 کلومیٹر جنوب میں واقع 'پرنس سلطان ایئر بیس'، جہاں امریکی فوجی مقیم ہیں۔
- اردن کے دارالحکومت عمان سے 100 کلومیٹر شمال مشرق میں ازرق کے مقام پر 'موفق السلطی ایئر بیس'، جو امریکی ایئر فورس سینٹرل کے '332 ویں ایئر ایکسپڈیشنری ونگ' کی میزبانی کرتا ہے۔
- پھر امریکہ کے لیے سب سے اہم 'ایڈوانس بیس' یہودی وجود (اسرائیل) ہے، جو ایک ایک کر کے مسلم ممالک پر ضربیں لگا کر گریٹر مڈل ایسٹ کو امریکی مفادات کے مطابق ڈھالنے میں امریکہ کی فعال مدد کر رہا ہے۔ یہ مغرب میں ٹرمپ کی پالتو ریاست ہے، جو مشرق میں اس کی دوسری پالتو ریاست یعنی 'ہندو ریاست' (بھارت) کی مدد کرتی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ امریکہ، یہودی وجود اور ہندو ریاست کے درمیان گہرا اشتراکِ عمل موجود ہے، اور یہ سب مسلم ریاستوں کے کمزور ہونے سے براہِ راست فائدہ اٹھانے والے ہیں۔
- علاوہ ازیں، ہنگامی پھیلاؤ کے پیشِ نظر ان مضبوط مسلم ممالک میں بھی اڈے موجود ہیں جہاں امریکہ کے پیروکار اور ایجنٹ حکمران ہیں، جنہیں امریکہ نے فعال جنگوں کے دوران استعمال کیا ہے؛ جیسا کہ 2001 میں

افغانستان پر حملے کے لیے ترکی اور پاکستان میں واقع اڈے استعمال کیے گئے۔ امریکی فوج مسلمانوں کے خلاف کسی بھی فعال جنگ میں، چاہے وہ افغانستان جیسا چھوٹا ملک ہو یا ایران جیسا بڑا ملک، مسلم دنیا میں اپنے ایجنٹوں اور پیروکاروں کے فراہم کردہ لاجسٹک راستوں کے بغیر گزارا نہیں کر سکتی۔

- اپنے فوجی ڈھانچے کی ایک اہم مستقل توسیع کے طور پر، جسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے، امریکی فوج گریٹر مڈل ایسٹ میں واقع بڑے امریکی سفارت خانوں کے اندر موجود نگرانی اور مواصلاتی مراکز پر بھی انحصار کرتی ہے، جن میں بغداد (عراق) اور اسلام آباد (پاکستان) کے سفارت خانے شامل ہیں۔ امریکہ کی حملہ کرنے اور جوابی حملہ کرنے کی صلاحیتوں کو ختم کرنے کے کسی بھی منصوبے میں ان جاسوسی مراکز (spy posts) کا خاتمہ لازمی شامل ہونا چاہیے، جو سفارتی مشنوں کے بھیس میں چھپے ہوئے ہیں، تاکہ امریکی فوج کو اندھا اور بہرا کیا جا سکے۔

- آخر میں، یہ ذکر کرنا اہم ہے کہ امریکہ کے پاس اپنے پھیلاؤ کے منصوبے ہیں۔ ایک اہم مثال کے طور پر، امریکہ افغانستان میں بگرام ایئر بیس کا قبضہ دوبارہ حاصل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ 18 ستمبر 2025 کو ٹرمپ نے کہا، "ہم بگرام کو اپنے پاس رکھنے والے تھے، وہ بڑا ایئر بیس—جو کہ سب سے بڑے فضائی اڈوں میں سے ایک ہے... ہم اسے واپس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ انہیں ہم سے چیزیں درکار ہیں۔ ہم وہ بیس واپس چاہتے ہیں۔" یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ ٹرمپ نے مشرق میں اپنی پالتو ریاست، 'ہندو ریاست' کو متحرک کر دیا ہے تاکہ وہ افغانستان کے مجاہدین اور پاک فوج کے درمیان فتنہ کھڑا کرے اور بگرام ایئر بیس کے حوالے سے کوئی رعایت حاصل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جا سکے۔ یہ بات مدِ نظر رہنی چاہیے کہ اگر بگرام ایئر بیس کبھی امریکی فوج کے قبضے میں چلا گیا، تو اسے نہ صرف ایٹمی چین بلکہ ایٹمی پاکستان پر ضرب لگانے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا، امریکی فوجی ڈھانچے کے سانپ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے امت کی سطح پر کسی بھی منصوبے میں نہ صرف اس کے موجودہ ڈھانچے بلکہ اس کی شاخوں اور مستقبل کے متوقع پھیلاؤ کو بھی شاملِ حساب رکھنا ہو گا۔

اپنی سرزمین سے امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کرنا امتِ مسلمہ پر ایک ناگزیر فریضہ ہے

امتِ مسلمہ کے گھر کے اندر امریکی فوجی ڈھانچے کی موجودگی ایک عجیب حقیقت ہے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ چین اور روس جیسی غیر مسلم ریاستیں کسی بھی وجہ سے اپنی سرزمین پر اتنے وسیع امریکی فوجی ڈھانچے کی اجازت دیں گی۔ مسلمانوں کی زمین پر امریکی فوج کی موجودگی ایک ایسے سانپ کی مانند ہے جس نے بار بار ڈسا ہے، مگر پھر بھی اس کے زہریلے دانت نکالنے، اس پر ضرب لگانے اور اسے ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی۔ اس مہلک غفلت کا "قومی مفاد" کے اس زاویے سے بھی کوئی جواز نہیں بنتا جس سے چمٹے رہنے کا دعویٰ مسلم حکمران کرتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ امریکی فوجی ڈھانچہ مسلم ممالک کو کمزور کرنے کے لیے ان پر ایک ایک کر کے حملہ کر کے مشرقِ وسطیٰ کو ٹرمپ کی منشا کے مطابق نئی شکل دینے کے منصوبے کے لیے نہایت ضروری اور کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ ٹرمپ کی پالتو ریاست کے سربراہ نیتن یاہو نے 'شیعہ بلاک' (Axis) کو ختم کرنے کے بعد اب 'سنی بلاک' کو ختم کرنے کی ضرورت کے بارے میں بات کی ہے۔ اتوار 22 فروری 2026 کو نیتن یاہو نے اعلان کیا کہ: "یہاں مقصد ایسی ریاستوں کا ایک بلاک بنانا ہے جو انتہا پسند بلاکوں کے خلاف حقیقت، چیلنجز اور اہداف پر ہم آہنگ ہوں، خواہ وہ انتہا پسند شیعہ بلاک ہو جسے ہم نے بہت زوردار ضرب لگائی ہے، یا ابھرتا ہوا انتہا پسند سنی بلاک ہو"۔ یہ بات ترکی، مصر اور ایٹمی پاکستان جیسی مضبوط سنی افواج کے تمام مخلص عناصر کے لیے خطرے کی گھنٹی ہونی چاہیے۔

ایٹمی پاکستان کے معاملے میں، اضافی تشویش کی ٹھوس وجوہات موجود ہیں۔ 18 مارچ 2026 کو، 'آفس آف دی ڈائریکٹر آف نیشنل انٹیلی جنس' نے اپنی "امریکی انٹیلی جنس کمیونٹی کا 2026 کا سالانہ خطرات کا جائزہ" جاری کیا، جس میں صفحہ 25 پر درج تھا کہ: "پاکستان تیزی سے جدید ترین میزائل ٹیکنالوجی تیار کر رہا ہے جو اس کی فوج کو ایسے میزائل نظام بنانے کے ذرائع فراہم کرتی ہے جو جنوبی ایشیا سے باہر اہداف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور اگر یہ رجحانات برقرار رہے تو ایسے بین البراعظمی بیلسٹک میزائل (ICBMs) تیار ہو سکتے ہیں جو امریکہ کے لیے خطرہ بن جائیں گے"۔ یہ ٹرمپ کے 31 اکتوبر 2025 کے اس اعلان کے بعد سامنے آیا کہ "پاکستان تجربات کر رہا ہے"۔ انٹرویو لینے والے نے اس کی رائے کو چیلنج کرتے ہوئے کہا، "میری سمجھ کے مطابق ایٹمی ہتھیار نہیں"؛ جس پر ٹرمپ نے وثوق سے کہا، "یقیناً وہ (ایٹمی تجربات) کر رہے ہیں"۔ یہ 20 مارچ 2026 کو امریکی وزیرِ دفاع کے اس اعلان کے بعد بھی سامنے آیا جب انہوں نے کہا تھا کہ: "ایران جیسی دیوانی حکومتیں، جو نبوی اسلامی واہموں (delusions) پر تلی ہوئی ہیں، ایٹمی ہتھیار نہیں رکھ سکتیں"۔ ٹرمپ کی جانب سے گریٹر مڈل ایسٹ کی تشکیلِ نو کے دوران، پاکستان پر امریکی توجہ انتہائی کلیدی ہے۔

پاکستان ایک مضبوط ایٹمی طاقت ہونے کے ناطے خلیج، ایران اور مصر کی افواج کو ایک حفاظتی دفاعی چھتری (deterrent umbrella)فراہم کر سکتا ہے، تاکہ امتِ مسلمہ کی افواج مشرقِ وسطیٰ میں امریکی سکیورٹی نظام کو جڑ سے اکھاڑ سکیں۔

چنانچہ، اگر 'قومی مفاد' کے محدود پیمانے سے بھی دیکھا جائے، تو امریکی فوجی ڈھانچے کا خاتمہ ایک ایسی سکیورٹی ترجیح ہے جو بقا کے خطرے کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ، مسلم زمینوں پر امریکی فوجی ڈھانچے کی موجودگی کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اُس شریعت میں قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے جس پر امتِ مسلمہ ایمان رکھتی ہے۔ امت کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ دوسری ریاستوں کے ساتھ فوجی معاہدے کرے، جیسے کہ باہمی دفاعی معاہدے، باہمی سکیورٹی کے معاہدے، یا اس سے متعلق کوئی بھی فوجی سہولت کاری، مثلاً فوجی اڈے، ہوائی اڈے یا بندرگاہیں کرائے پر دینا۔ اسی طرح کفار کی ریاستوں اور ان کی افواج سے مدد (استعانت) حاصل کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور اسلام میں ایسے تمام معاہدے حرام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کفر کے جھنڈے تلے، کفر کی خاطر، یا کسی کافر ریاست کی طرف سے لڑنا، یا مسلمانوں اور سرزمینِ اسلام پر کسی کافر کو اختیار و غلبہ دینا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کافر ریاستوں سے مدد (استعانت) لینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل کرنے سے منع کیا تھا، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **«لاَ تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ» "مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو"**۔ [مسند احمد]۔ یہاں آگ سے مراد 'جنگ' کا کنایہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **«فَإِنَّا لاَ نَسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ» "بے شک ہم کسی مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے"**۔ [صحیح ابن حبان]۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُواْ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا﴾ "اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست (مددگار) نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ (ایسا کر کے) اپنے خلاف اللہ کی صریح حجت قائم کرلو؟"** [سورۃ النساء: آیت 144]۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت سے بڑی کوئی حکمت نہیں ہے۔ لہٰذا، شریعت میں امریکی فوجی اڈوں کی میزبانی کرنے یا امریکی فوج کو مسلمانوں کے اڈے استعمال کرنے دینے کی کوئی بنیاد نہیں ہے، چہ جائیکہ امریکہ کے ساتھ مل کر اس کے مفادات کے مطابق گریٹر مڈل ایسٹ کی تشکیلِ نو کے لیے لڑا جائے۔

وہ مادی عوامل جو امریکی فوجی ڈھانچے کے خاتمے کو ممکن بناتے ہیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عشروں کی تکالیف کے بعد موجودہ نسل کے مسلمانوں کو امریکی فوجی انفیکشن (وباء) سے چھٹکارا پانے کا ایک سنہرا موقع عطا کیا ہے۔

- ایران پر حملے کے ابتدائی ہفتوں کے اندر ہی، یورپ میں امریکہ کے روایتی اتحادیوں نے اسے تنہا چھوڑ دیا اور جنگ میں شامل ہونے کی امریکی پکار کو مسترد کر دیا۔ یہ اس وقت ہوا جب امریکہ ان 66 بین الاقوامی اداروں سے علیحدگی اختیار کر چکا تھا جو یورپ کو عالمی امور پر اختیار دیتے تھے۔

- جہاں تک چین اور روس کا تعلق ہے، وہ امریکہ کو اس دلدل میں دھنستا دیکھ کر خوشی سے نہال تھے، کیونکہ اس سے پہلے امریکہ نے روس کو یوکرین کی دلدل میں پھنسایا تھا اور چین کا محاصرہ کر کے اس کی تیل اور نایاب معدنیات(Rare Earth Elements)تک رسائی کاٹ دی تھی۔

- جہاں تک خلیجی ریاستوں کے مسلمانوں کا تعلق ہے، انہوں نے امریکی سیکیورٹی ضمانتوں کی لرزہ خیز حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ انہوں نے خود مشاہدہ کیا کہ مسلم حکمران تو درحقیقت امریکی فوجی ڈھانچے کے محافظ بنے ہوئے ہیں، جبکہ امریکی اڈے صرف امریکی اور یہودی افواج کے تحفظ کے لیے وہاں موجود ہیں، اگرچہ وہ ابتدائی ایرانی حملوں کی تاب نہ لا سکے اور بری طرح ناکام رہے۔

- جہاں تک امریکہ کے ناقابلِ شکست ہونے کے افسانے کا تعلق ہے، تو اسے ایران کے مسلمانوں نے چکنا چور کر دیا، جس سے پوری امتِ مسلمہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

- جہاں تک خود امریکی 'ڈیپ سٹیٹ' (خفیہ مقتدرہ) کا تعلق ہے، تو اس کے اندر ایک بااثر دھڑے نے اس جنگ کو 'تھکا دینے والی لامتناہی جنگ' قرار دے کر اس کی اہمیت کو کم کیا، جو امریکہ کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ جہاں تک ٹرمپ انتظامیہ کا تعلق ہے، وہ ٹائم لائنز پر نظرِ ثانی کرنے اور مزید افواج جمع کرنے سمیت دیگر اقدامات پر مجبور ہو گئی۔ چنانچہ، ٹرمپ نے مذاکرات کا وہ انداز اپنایا جسے وہ یقینی شکست سے بچنے کے لیے استعمال کرتا ہے، تاکہ افواج کو اکٹھا کرنے کے لیے وقت حاصل کیا جا سکے اور مذاکرات کی میز پر وہ کچھ حاصل کیا جا سکے جو اس کی فوج میدانِ جنگ میں کبھی حاصل نہیں کر سکی تھی۔ ٹرمپ نے مسلم دنیا میں اپنے ایجنٹوں کو بھی حکم دیا کہ وہ مختلف بیانیوں کا سہارا لیتے ہوئے اس کی

طرف سے جنگ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں، جن میں سے بعض بیانیوں میں صرف زبانی حد تک اسلام کا نام استعمال کیا گیا۔

- جہاں تک مجموعی طور پر امتِ مسلمہ کا تعلق ہے، اس کی مسلح افواج کو اپنی ہی زمینوں کے اندر تمام امریکی فوجی ڈھانچے، اس کی شاخوں اور توسیع شدہ اڈوں تک مختصر اور محفوظ مواصلاتی راستے حاصل ہیں۔ اڈوں پر بڑے پیمانے پر زمینی حملے کے لیے دفاعی چھتری (deterrent cover) فراہم کرنے کے حوالے سے امتِ مسلمہ کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ بین البرا عظمی بیلسٹک میزائل اور ہائپر سونک میزائل بھی موجود ہیں۔ امتِ مسلمہ کے فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی خاطر لڑنے کے لیے تیار صحت مند اور توانا مردوں کی تعداد کروڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے۔

چنانچہ، مادی نقطہ نظر سے وہ تمام مادی عوامل جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا کیے ہیں، وہ امتِ مسلمہ کے حق میں ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے ان موجودہ حکمرانوں کو ہٹانے کے بعد ممکن ہے، جو امریکی فوجی ڈھانچے اور اس کے سہولت کاروں کے لیے دفاع کی پہلی لائن بنے ہوئے ہیں۔

سب سے اہم عنصر، فوجیوں کا عقیدہ

امریکی فوجی ڈھانچے کی حقیقت اور امتِ مسلمہ کی مدد کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فراہم کردہ مادی عوامل کو جاننے کے بعد، اب وقت آ گیا ہے کہ اس سب سے اہم عنصر پر بات کی جائے جو جنگ کا فیصلہ کرتا ہے، اور وہ ہے 'فوجیوں کا عقیدہ'۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو فوجی تشکیل کی بنیاد بنتا ہے اور اسے جوڑے رکھتا ہے، اسے بکھرنے اور شکست سے بچاتا ہے اور فتح کی جانب پیش قدمی کے لیے اس کے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔ کسی بھی اسلامی سیاسی منصوبے کی بحث اسلام کے عقیدے سے جڑے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایک وسیع سیاسی منصوبہ حقائق کے مطالعے، شرعی ترجیحات کے تعین، تیاری اور امکانات کے جائزے، اور ہنگامی منصوبوں کی تشکیل کے بعد بھی نامکمل رہتا ہے۔ ایک سیاسی منصوبہ اس وقت تک بے جان ہے جب تک ایسے مردِ مومن موجود نہ ہوں جو اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنا وقت، صحت، مال اور جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مزید برآں، جب امت غزہ، لبنان، شام، یمن، قطر اور ایران کے خلاف

متحرک ہونے والے امریکی ڈھانچے پر ضرب لگانے میں ناکام رہی، تو اب کوئی بھی منصوبہ بندی اسلامی عقیدے پر بحث کیے بغیر ادھوری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، امتِ مسلمہ کو کافروں یعنی امریکیوں، یہودی وجود اور ہندو ریاست پر واضح برتری حاصل ہے۔

دشمن کا کمزور، بودا اور متزلزل عقیدہ

جہاں تک دشمن یعنی امریکہ کا تعلق ہے، تو امریکی فوجی کمانڈروں نے ایران پر حملے کو، جو 28 فروری 2026 کو شروع ہوا، ایک مذہبی جنگ کے طور پر پیش کیا تاکہ وہ اپنے فوجیوں کے اندر پائے جانے والے خوف کو قابو کر سکیں۔ 3 مارچ 2026 کو امریکی تنظیم 'ملٹری ریلیجیس فریڈم فاؤنڈیشن' (MRFF)، جس کا مقصد امریکی فوج کے اندر چرچ اور ریاست کی علیحدگی کو برقرار رکھنا ہے، نے ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا: "ایم آر ایف ایف کو ان خوش باش کمانڈروں کے خلاف شکایات کے انبار موصول ہوئے ہیں جو فوجیوں کو بتا رہے ہیں کہ ایران کی جنگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کی راہ ہموار کرنے کے لیے 'خدا کے الٰہی منصوبے کا حصہ' ہے"۔

اس مضمون میں ایک نان کمیشنڈ آفیسر کا حوالہ دیا گیا ہے جس نے اپنی فوجی یونٹ کے 15 ارکان کی جانب سے لکھتے ہوئے کہا: "آج صبح ہمارے کمانڈر نے جنگی تیاری کی بریفنگ کا آغاز ہمیں اس بات پر آمادہ کرتے ہوئے کیا کہ ہم ایران میں جاری اپنی جنگی کارروائیوں کے حوالے سے 'خوفزدہ' نہ ہوں۔ اس نے ہم پر زور دیا کہ ہم اپنے فوجیوں کو بتائیں کہ یہ سب 'خدا کے الٰہی منصوبے کا حصہ' ہے اور اس نے خاص طور پر 'مکاشفہ کی کتاب' (Book of Revelation) کے متعدد حوالوں کا ذکر کیا جو ہرمجدون (Armageddon) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلد واپسی سے متعلق تھے۔ اس نے کہا کہ 'صدر ٹرمپ کو حضرت عیسیٰ نے ایران میں (جنگ کی) آگ بھڑکانے کے لیے منتخب کیا ہے تاکہ ہرمجدون کا معرکہ بپا ہو اور زمین پر ان کی واپسی کی راہ ہموار ہو'۔" اور 25 مارچ 2026 کو، وزیر دفاع پیٹ ہیگستھ نے ایران جنگ شروع ہونے کے بعد پینٹاگون میں پہلی ماہانہ مسیحی عبادتی تقریب کی قیادت کی، جس میں انہوں نے "ان لوگوں کے خلاف شدید ترین پر تشدد کارروائی کی اپیل کی جو کسی رحم کے مستحق نہیں ہیں"۔

درحقیقت، میدانِ جنگ میں ایران کی طاقتور اور تربیت یافتہ مسلم فوج کا سامنا کرتے ہوئے امریکی فوجی "خوفزدہ" ہیں۔ امریکی فوجی اس وقت بھی "خوفزدہ" تھے جب ان کا سامنا افغانستان میں کم ہتھیاروں والے مجاہدین کے چھوٹے گروہوں سے تھا۔ ان کا خوف اس قدر غالب تھا کہ انہوں نے جنگ میں اپنے دشمنوں کا سامنا کرنے کے بجائے خودکشی کو ترجیح دی۔ جنوری 2013 میں "جرنل آف ہیلتھ

اکنامکس" میں شائع ہونے والی ایک تحقیق، جس کا عنوان تھا "جنگ کی نفسیاتی قیمت: فوجی لڑائی اور ذہنی صحت"، میں بتایا گیا کہ: "جولائی 2012 میں ریکارڈ 38 فوجیوں نے خودکشی کی (امریکی محکمہ دفاع، 2012) اور جون 2012 تک، افغانستان کی جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب وہاں جنگی کارروائیوں میں ہلاک ہونے والوں (1950) کے مقابلے میں کہیں زیادہ امریکی فوجی اہلکار خودکشی (2676) کے نتیجے میں اپنی جانیں گنوا چکے ہیں"۔ لہٰذا، یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی کہ امریکی فوج 30 اگست 2021 کو افغانستان سے مکمل انخلاء پر مجبور ہو گئی۔ امریکی فوجی کمانڈروں کی اپنی مسلح افواج کو مسیحی مذہب کے ذریعے متحرک کرنے کی کوششیں افغانستان کے مسلمانوں کے سامنے ناکام ہو گئیں۔

بنیادی طور پر، کوئی بھی امریکی فوجی تشکیل اپنے عقیدے کی وجہ سے مفلوج ہے۔ مسیحیت امریکی فوج کو اس طرح مضبوط نہیں کر سکتی جس کی اس کے فوجی کمانڈروں کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضرورت ہے۔ موجودہ مسیحی مذہب وہ دین نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ پادریوں نے وحی میں اس وقت تک تحریف کی جب تک کہ وہ موجودہ مسیحیت بن گئی۔ مسیحیت کے عقیدے کے پاس اپنے عقائد کے لیے کوئی قطعی دلائل نہیں ہیں، اس لیے ایک فوجی نظریے کی بنیاد کے طور پر یہ کمزور اور غیر مستحکم ہے۔ مسیحیت میں اس حد تک تحریف کی گئی کہ اس نے اپنے پیروکاروں کے اندر قربانی، مزاحمت اور ثابت قدمی کے جذبے کو ختم کر دیا۔

یہاں، فاشسٹ اور سفید فام نسل پرست ٹرمپ کو اپنے جدِ امجد ہٹلر کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔ کتاب "Inside the Third Reich" میں، ہٹلر کے ماہرِ تعمیرات اور وزیرِ حرب وضرب البرٹ سپیئر نے ہٹلر کا یہ قول نقل کیا ہے: "تم دیکھو، یہ ہماری بد قسمتی رہی ہے کہ ہمیں غلط مذہب ملا۔ ہمارے پاس جاپانیوں جیسا مذہب کیوں نہیں تھا، جو مادرِ وطن کے لیے قربانی کو سب سے بڑی بھلائی سمجھتے ہیں؟ دینِ محمدی (اسلام) بھی مسیحیت کے مقابلے میں ہمارے لیے بہت زیادہ موافق ہوتا۔ اسے مسیحیت ہی کیوں ہونا تھا جس میں عاجزی اور کمزوری بھری پڑی ہے؟"۔

مزید برآں، امریکی ڈیپ سٹیٹ اور امریکیوں کی موجودہ نسل مسیحیت کے بجائے سرمایہ داریت (Capitalism) پر یقین رکھتی ہے۔ جہاں تک امریکی ڈیپ سٹیٹ کا تعلق ہے، تو وہ امریکی سرمایہ دار اشرافیہ، اپنی فوج، تیل، معدنیات اور ٹیکنالوجی کی کمپنیوں کے لیے مادی فوائد کے حصول کی تگ و دو کرتی ہے، جبکہ اپنے فوجیوں کو متحرک کرنے کے لیے مسیحیت کا استحصال کرتی ہے۔ ڈیپ سٹیٹ اپنے ان مفادات کی خاطر کی جانے والی کوششوں کو "قومی مفاد" کا لبادہ پہنا کر پیش کرتی ہے تاکہ اپنی فوج کو اپنے مفادات کے لیے قربانی

دینے پر آمادہ کرسکے۔ تاہم، یہ منافقت اب ڈھکی چھپی نہیں رہی بلکہ بے نقاب ہوچکی ہے، جو بذاتِ خود مجموعی طور پر امریکی معاشرے اور خاص طور پر اس کی فوج میں بددلی اور حوصلہ شکنی کا باعث بن رہی ہے۔ جہاں تک امریکیوں کی موجودہ نسل بشمول ان کے فوجیوں کا تعلق ہے، تو وہ اپنے ان مذہبی آباؤ اجداد کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کو بچانے کی خاطر یورپ چھوڑا اور سمندر پار کرکے بیابانوں میں نئے گھر بسائے تھے۔ نہیں، بلکہ افسروں کی موجودہ نسل تو سرمایہ داریت، مادہ پرستی، لذت پرستی، انفرادیت پسندی، راحت طلبی اور ذاتی بقا کی سوچ کی پیداوار ہے۔ افسروں کا ایسا کوئی طبقہ مسلمانوں کے ساتھ کسی شدید اور طویل جنگ میں فوجی ڈسپلن اور صف بندی کو کیسے برقرار رکھ سکتا ہے؟۔ یہ تو بس وقت کی بات ہے کہ ایک انتہائی پرعزم اور جذبوں سے سرشار قوت ان کی صف بندی کو توڑ دے گی۔

اسلامی فوجی تشکیل کا قطعی اور غیر متزلزل عقیدہ

امت کو چاہیے کہ وہ اپنی افواج کو اسلامی عقیدے کے مطابق متحرک کرے اور انہیں مسلم حکمرانوں کی غلط رہنمائی سے نجات دلائے۔ اسلام میں فوجی تشکیل کی بنیاد "قومی مفاد" نہیں ہے۔ جہاں تک قوم پرستی کا تعلق ہے، تو اسلام میں قوم پرستی کی کوئی جگہ نہیں، اور امت کے معاملات انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ہر مسلمان کے اپنے معاملات ہیں۔ ایران، فلسطین، کشمیر، لبنان، شام اور یمن میں مسلمانوں کا قتلِ عام ان کا اپنا مسئلہ ہے، اور ان کی افواج اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اپنے ردِ عمل (جواب) کی ذمہ دار ہیں۔ جہاں تک "مفاد" کی بات ہے، تو اسلام سے باہر یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کے خلاف مسلمانوں کا کوئی مفاد نہیں ہے۔ اسلام افواج کو حکم دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ان کے دین میں مدد کریں۔ اسلام افواج کو حکم دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مقبوضہ زمینوں کو آزاد کرائیں۔ اسلام افواج کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ فوجی اتحاد میں بندھیں، جو مسلمانوں کی زمینوں پر قابض ہیں یا قبضے میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کفار کے فوجی قبضے کو ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، چاہے وہ کوئی امریکی اڈہ ہو یا امریکہ کا سب سے بڑا اڈہ یعنی یہودی وجود۔

عقیدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو امریکی فوجی اس چیز کی امید نہیں رکھتے جس کی امید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے مسلمان رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ "اور (دشمن) قوم کے تعاقب میں سستی نہ**

کرو، اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ بھی اسی طرح تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے"۔[سورۃ النساء: آیت 104]

ابن کثیر اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: فأنتم إذ كنتم موقنين من ثواب الله لكم على ما يصيبكم منهم، بما هم به مكذّبون أولى وأحرَى أن تصبروا على حربهم وقتالهم، منهم على قتالكم وحربكم، وأن تجِدُّوا من طلبهم وابتغائهم، لقتالهم على ما يَهنون فيه ولا يَجِدّون "چونکہ تم ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر اللہ کے ثواب کا یقین رکھتے ہو، جس کا وہ (دشمن) انکار کرتے ہیں، لہٰذا تم ان کے خلاف جنگ اور لڑائی پر ثابت قدم رہنے کے ان سے زیادہ حقدار اور لائق ہو، بہ نسبت ان کے جو تمہارے خلاف لڑائی اور جنگ پر صبر کریں۔ تم ان کی تلاش اور تعاقب میں تندہی دکھانے کے زیادہ حقدار اور لائق ہو، تاکہ ان سے اس (عقیدے) پر لڑو جس میں وہ کمزور پڑ جاتے ہیں اور جس کے لیے وہ جدوجہد نہیں کرتے"۔

اسلام کا عقیدہ نہ صرف لڑنے والے مسلمانوں کو قربانی کا جذبہ عطا کرتا ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کی افواج کو اللہ کی نصرت آنے تک ثابت قدم رہنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: **﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ "پس تم ہمت نہ ہارو اور صلح کی پکار نہ کرو جبکہ تم ہی غالب رہنے والے ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ ہرگز تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا"۔**(سورۃ محمد: آیت 35)۔

امام طبری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: **لا تضعفوا عنهم وتدعوهم إلى الصلح والمسالمة, وأنتم القاهرون لهم والعالون عليهم (وَاللَّهُ مَعَكُمْ) يقول: والله معكم بالنصر لكم عليهم "تم ان کے سامنے کمزوری نہ دکھاؤ اور انہیں صلح و آشتی کی دعوت نہ دو، جبکہ تم ان پر غالب اور برتر ہو۔ 'اور اللہ تمہارے ساتھ ہے' کا مطلب ہے کہ اللہ تمہارے لیے ان پر فتح و نصرت کے ساتھ تمہارے ساتھ ہے"۔** یقیناً، صلح اور مذاکرات کی پکار، ایسے وقت میں جب امریکہ لڑکھڑا چکا ہو اور اسے ایک فیصلہ کن شکست سے کچلا جا سکتا ہو، دین کے ساتھ صریح تضاد ہے۔

روئے زمین پر کسی بھی فوج کے پاس وہ سرمایہ نہیں جو اسلامی فوج کے پاس ہے۔ اسلام کا عقیدہ قطعی ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے ثابت شدہ ہے۔ یہ یقین کا عقیدہ ہے جس میں وہم و گمان کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی مسلمانوں کی افواج کے عسکری نظریے (military

doctrine) کی ٹھوس بنیاد ہے۔ اسلامی عقیدہ، اسلامی فوجی کلچر کا ایک لازمی حصہ ہے۔ یہ اسلامی فوجی تشکیل کا ایک کلیدی ستون ہے۔ یہ اسلام کے ثقافتی اور فکری ماحول کا حصہ ہے، اور فوجی کمانڈروں کے احکامات کا ایک نمایاں وصف ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کو شکست دینے کے قابل بناتا ہے، چاہے ان کے دشمنوں کے پاس اسلحہ اور قدم جمانے کے ٹھکانے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

خاتمہ: امریکی فوجی استعمار سے آزادی (تحریر) کی طرف پہلا قدم

اے امتِ مسلمہ اور اس کی افواج! گریٹر مڈل ایسٹ کے اندر امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کر دو، جو مسلمانوں کے گھر میں ایک سانپ کی مانند ہے! اس نے بار بار مسلم ممالک کو ڈسا ہے اور یہ تب تک ڈستا رہے گا جب تک اس کے زہریلے دانت نکال کر اسے مفلوج اور ختم نہ کر دیا جائے۔ عالمی منظر نامہ، علاقائی حالات اور مسلمانوں کی مادی صلاحیتیں سب امتِ مسلمہ کے حق میں ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ امتِ مسلمہ اور اس کی افواج اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہیں۔ صدیوں کے دوران، مسلمانوں کی افواج نے صلیبیوں اور منگولوں سمیت اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور دشمنوں کو شکست دی ہے۔ حالیہ تاریخ میں بھی افغانستان، عراق، صومالیہ، کشمیر، یمن، فلسطین اور ایران کے میدانِ جنگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے مسلمانوں کی طاقت کے گواہ رہے ہیں۔ چنانچہ، مسلمانوں کی افواج کو چاہیے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ امریکی فوجی موجودگی کا مقابلہ کریں اور دو بھلائیوں میں سے ایک، یعنی فتح یا شہادت، کی طلبگار بنیں۔

اور مسلمانوں کی افواج کے لیے پہلا قدم ان موجودہ حکمرانوں کو ہٹانا ہے جو اسلامی عقیدے کی ضد ہیں اور ہر قدم پر دشمن کے لیے سہولت کاری کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی افواج کو پھر ایسی قیادت کو برسرِ اقتدار لانا ہو گا جو اسلامی عقیدے پر مبنی ریاست کا نظام چلائے۔ جی ہاں، امریکی فوجی ڈھانچے کو ختم کرنے کی طرف سب سے پہلا قدم مسلم افسران کی جانب سے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو 'نصرۃ' (عسکری مدد) فراہم کرنا ہے۔ تبھی ایک خلیفہ راشد فیصلہ کن جنگ میں ان افواج کی قیادت کرے گا تاکہ مسلم دنیا کو ناپاک امریکی فوجی ڈھانچے سے پاک کیا جا سکے، جس میں کفار ذلیل و رسوا ہوں گے اور دینِ اسلام کو عزت و سربلندی ملے گی۔

فہرست

خلافت کا قیام مسلم دنیا کو تیل کی بین الاقوامی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے منفی اثرات سے آزاد کر دے گا

شہزاد شیخ، ولایہ پاکستان

آئی ایم ایف کی شرائط کو پورا کرنے کے لیے، حکومت نے پیٹرول اور ہائی اسپیڈ ڈیزل (ایچ ایس ڈی) پر پیٹرولیم ڈیولپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) میں 13.91 روپے فی لیٹر اضافہ کیا ہے۔ اس اقدام سے لاگت کو بڑھانے والی افراط زر مزید بڑھنے کی توقع ہے، جو پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ ہفتہ وار حساس قیمت انڈیکس (SPI) میں 7 مئی کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران سال بہ سال 15.16 فیصد اضافہ ہوا، جو بنیادی طور پر ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔[بزنس ریکارڈر]

یکم جولائی 2025 کو پیٹرول کی قیمت 266.79 روپے فی لیٹر اور ہائی اسپیڈ ڈیزل 272.98 روپے فی لیٹر تھی۔ رواں مالی سال 26-2025 میں پیٹرولیم ڈیولپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) کی وصولی کا ہدف 1468 ارب روپے ہے لیکن آئی ایم ایف نے 1311 ارب روپے پی ڈی ایل کی وصولی کا تخمینہ لگایا ہے۔ جب امریکہ نے 28 فروری 2026 کو ایران پر حملہ کیا تو پاکستان میں پیٹرول 258.17 روپے فی لیٹر اور ہائی اسپیڈ ڈیزل (HSD) 275.70 روپے فی لیٹر تھا۔ پیٹرولیم مصنوعات کی اس قیمت میں پی ڈی ایل کا حصہ پیٹرول کے لیے 84.40 روپے فی لیٹر اور ہائی اسپیڈ ڈیزل کے لیے 76.21 روپے فی لیٹر تھا۔

امریکا اور ایران کے درمیان جنگ چھڑنے اور اس کے بعد آبنائے ہرمز کے بند ہونے کے بعد بین الاقوامی سطح پر پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھنا شروع ہو گئیں اور برینٹ کروڈ 73.19 امریکی ڈالر فی بیرل سے بڑھ کر 115 امریکی ڈالر فی بیرل تک پہنچ گیا جبکہ اس وقت یہ قیمت 110 امریکی ڈالر فی بیرل ہے۔ تیل کی بین الاقوامی قیمتوں میں اضافے نے حکومت کو پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ اس وقت پاکستان میں پٹرول اور ڈیزل کی قیمت 410 روپے فی لیٹر ہے۔

28 فروری 2026 کو جب امریکہ ایران جنگ شروع ہوئی تو پیٹرول کے لیے 84.25 روپے فی لیٹر اور ڈیزل کے لیے 76.21 روپے فی لیٹر پی ڈی ایل کا حصہ مقرر تھا۔ لیکن اب یعنی 18 مئی 2026 کو پیٹرول پر 117.41 روپے فی لیٹر، اور ڈیزل پر 52.00 روپے فی لیٹر پی ڈی ایل مقرر کیا گیا ہے۔ پٹرولیم مصنوعات پر صرف پی ڈی ایل ہی واحد ٹیکس نہیں ہے، پیٹرول پر 144.26 روپے جبکہ ڈیزل پر 95.35 روپے کُل ٹیکس ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب تیل کی بین الاقوامی قیمتیں بڑھ رہی ہیں، حکومت نے پیٹرولیم مصنوعات پر ٹیکس ختم یا کم نہیں کیا۔ اس کے بجائے، اس نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے مطالبے کو پورا کرنے کے لیے پی ڈی ایل میں اضافہ کیا، تاکہ 1468 ارب روپے جمع کرنے کا بجٹ ہدف حاصل کیا جاسکے۔ آئی ایم ایف اور حکومت نے پاکستان کے عوام پر کوئی رحم نہیں کیا، جو کئی سال سے مہنگائی سے پس رہے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے ایسے لوگ جو ملک چھوڑنے کی استطاعت رکھتے ہیں، انہوں نے ملک چھوڑ دیا ہے۔

حکومت یہ پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ بین الاقوامی میدان میں ملک کا قد کئی گنا بڑھ گیا ہے، جبکہ حکومت ثالث بن کر اپنے آقا، امریکہ کو امریکہ ایران جنگ کی رسوائی سے بچا رہی ہے۔ تاہم، جب پاکستانی عوام کو کوئی ریلیف دینے کی بات آتی ہے تو قد میں اس نام نہاد اضافہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آئی ایم ایف امریکی معاشی استعمار کا آلہ کار ہے۔ حکمرانوں نے اپنے آقا امریکہ سے اتنا بھی نہیں کہا کہ وہ انہیں آئی ایم ایف سے رعایتیں اس بنیاد پر دلا دے کہ وہ اس وقت امریکہ کی انتہائی اہم خدمت کر رہے ہیں جب کوئی دوسری حکومت ایسا گھناؤنا کام کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ عسکری اور سیاسی قیادت امریکہ کی غلام ہے۔ غلام صرف اپنے آقا کے حکم کی پابندی کرتا ہے، اور کبھی بھی اپنی خدمات کے بدلے کوئی معاوضہ مانگنے کی جرات نہیں کرتا۔

پی ڈی ایل ایک سرمایہ دارانہ، رجعت پسند، ہر ایک پر لاگو ہونے والا ٹیکس ہے، ایسا ٹیکس جو امیروں کے مقابلے میں غریبوں پر کئی گنا زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ لہٰذا، حل پیٹرولیم مصنوعات پر پی ڈی ایل یا دیگر ٹیکسوں کو ختم یا کم کرنا نہیں ہے۔ اس کے بجائے، ہمیں تیل اور پیٹرولیم مصنوعات کے لیے مکمل طور پر ایک متبادل انقلابی تصور کی ضرورت ہے۔ آج جب ایران میں پابندیوں اور محاصروں کے باوجود پیٹرول کی قیمت صرف 8.12 روپے ہے، تو کیوں نہ انقلابی تصور اختیار کرتے ہوئے مسلم سرزمینوں کو تقسیم کرنے والی قوم پرست سرحدوں کو مٹا دیا جائے، اور مراکش سے انڈونیشیا تک مسلم زمینوں کو ایک واحد شرعی سیاسی وجود، خلافت کے طور پر یکجا کر دیا جائے۔ اس طرح پوری مسلم دنیا کو تیل انتہائی کم قیمت پر دستیاب ہو گا۔

اس انقلابی تصور میں تیل کے متعلق شرعی حکم کا نفاذ بھی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ »"مسلمان تین چیزوں میں شراکتدار ہیں: پانی، چراہ گاہیں، اور آگ۔"** اور انسؓ نے ابن عباسؓ سے روایت کی، انہوں نے اس حدیث میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا: **«وَثَمَنُهُ حَرَامٌ» "اور اس کی قیمت لینا حرام ہے۔"** اور یہ بھی کہ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لَا يُمْنَعُ الْمَاءُ، وَالنَّارُ، وَالْكَلَأُ» "پانی، چراگاہ اور آگ کو الگ (لوگوں سے دور) نہ کرو۔"** آگ ایندھن (وقود) کے معنی سے ہے جس میں تیل اور پیٹرولیم مصنوعات شامل ہیں جو گاڑیوں اور

جنریٹروں کو چلانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ تیل کی ملکیت میں تمام مسلمانوں کی شراکت (شراكة) اس لیے ہے کہ یہ معاشرے کے لیے درکار اجتماعی افادیت (مرافق الجماعة) میں سے ایک ہے۔ یہ معاشرے کے لیے ناگزیر ہے کہ اگر یہ دستیاب نہ ہو تو معاشرے کو اسے ڈھونڈنے کے لیے منتشر ہونا پڑے گا۔ لہٰذا، خلافت میں، تیل نہ تو نجی ملکیت میں ہے، جہاں پرائیویٹ کمپنیاں اس کی فروخت کے ذریعے منافع کمائیں، اور نہ ہی یہ ریاست کی ملکیت ہے، جہاں ریاست اپنی مرضی کے مطابق اس پر ٹیکس لگائے۔ اس کے بجائے خلافت میں تیل اور پیٹرولیم مصنوعات عوامی ملکیت ہیں، جہاں مسلم معاشرہ براہ راست اس کا استعمال کر کے فائدہ اٹھاتا ہے، یا اس کی قیمت (ثمن) سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لہٰذا، خلیفہ کم قیمتوں پر تیل اور پیٹرولیم فراہم کر سکتا ہے، جبکہ اس سے حاصل ہونے والا کوئی بھی منافع بیت المال (سرکاری خزانے) میں جمع کرایا جاتا ہے اور اسے صرف معاشرے کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا ہے۔

مسلم دنیا کو تیل کے بے پناہ ذخائر سے نوازا گیا ہے۔ خام تیل کی عالمی پیداوار میں مسلم ممالک کا حصہ تقریباً 35 سے 43 فیصد ہے اور دنیا کے ثابت شدہ تیل کے ذخائر کا تقریباً 65 فیصد مسلم علاقوں میں ہے۔ خلافت کے تحت ایک امت بننے سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری مسلم دنیا کو معاشی استعمار سے نجات ملے گی۔ ہمیں خود کو صرف امریکہ اور ایران کے درمیان تنازع کے خاتمے کی دعا تک محدود نہیں رکھنا چاہیے تاکہ تیل کی قیمت 70 ڈالر فی بیرل تک واپس آ جائے اور مہنگائی میں کچھ کمی ہو جائے، بلکہ ہم سب کو حزب التحریر کے ساتھ مل کر شرعی حکمرانی، خلافت راشدہ کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے، تاکہ ہمارے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ وحی کے مطابق چل سکیں۔

فہرست

نہ تو کوئی جرم نہ ہی کوئی الزام، پھر بھی گرفتاریاں اور سفاک و بہیمانہ تشدد: قابض یہودی وجود کی جیلوں کے جہنم میں سسکتے اور دم توڑتے فلسطینی بچے

استاد عبد الخالق عبدون

06 مئی 2026ء کو اناطولو (Anadolu) نیوز ایجنسی نے رپورٹ کیا کہ یہودی وجود کی فوج نے مقبوضہ ویسٹ بنک کے مختلف علاقوں میں چھاپے مارے، جس کے نتیجے میں ایک بچے اور دو خواتین سمیت کم از کم 17 فلسطینیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسیران میڈیا آفس (Prisoners' Media Office) کا کہنا ہے کہ یہ حملے ویسٹ بنک میں قابض یہودی افواج کی جانب سے روزانہ کی جانے والی گرفتاریوں میں تیزی کا حصہ ہیں، جن میں خواتین اور بچوں سمیت مختلف طبقوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ قیدیوں کے امور سے متعلق فلسطینی اداروں نے، جن میں 'فلسطینی اسیران کلب' (Palestinian Prisoners' Club) بھی شامل ہے، بتایا کہ غزہ پر جنگ کے آغاز سے اب تک قابض یہودی افواج کی جانب سے القدس سمیت ویسٹ بنک سے 1,630 سے زائد بچوں کو اور غزہ کی پٹی کے علاقے سے درجنوں بچوں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ ان فلسطینی اداروں نے مجدو جیل (Megiddo) کے اندر بھوک پیاس، ضروریاتِ زندگی سے محروم اور بدسلوکی کا نشانہ بننے کے بعد ایک بچے کی شہادت کی بھی اطلاع دی۔ ان میں سے تین سو پچاس فلسطینی بچے اب بھی قابض یہودی وجود کی جیلوں میں قید ہیں، جن میں دو بچیاں بھی شامل ہیں۔ انہیں ایسے سخت ترین اور بدتر حالت میں رکھا گیا ہے جو نابالغ بچوں کے تحفظ کے تمام عالمی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ ان بچوں کو تشدد، فاقہ کشی، طبی غفلت، جنسی استحصال، تنہائی کی کوٹھڑیوں اور خاندان والوں کی ملاقاتوں سے محرومی کا سامنا ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں اور بین الاقوامی رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ یہودی حکام کی جانب سے فلسطینی بچوں کی گرفتاری ایک باقاعدہ منظم اور مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے، جس کے تحت ہر سال تقریباً 700 فلسطینی بچوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ دسمبر 2025ء کے آخر تک، یہودی وجود کے محکمہ جیل خانہ جات نے سکیورٹی الزامات کے تحت 351 فلسطینی نابالغ بچوں، جبکہ غیر قانونی موجودگی کے الزامات کے تحت مزید 106 نابالغ بچوں کو حراست میں رکھنے کی اطلاع دی تھی! ان جیلوں میں قابض یہودی حکام انتہائی سخت اور ظالمانہ پالیسیاں اپناتے ہیں، جہاں بچوں کے بیانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان میں سے 73٪ کو گرفتاری کے بعد جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، 95٪ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائی گئیں، اور 86٪ کی آنکھوں پر پٹیاں باندھی گئیں۔ بہت سے بچوں کو آدھی رات کو ان کے

گھروں سے گرفتار کیا گیا تھا، اور ان کے والدین یا وکلاء کی موجودگی کے بغیر ان سے تفتیش کی گئی۔ بچوں کے لئے قائم فوجی عدالتوں میں سزا سنانے کی شرح 95٪ تک ریکارڈ کی گئی ہے، جن میں عام طور پر پتھراؤ اور سوشل میڈیا پر اشتعال انگیزی پھیلانے جیسے الزامات شامل ہوتے ہیں۔ قابض یہودی وجود بچوں کے خلاف انتظامی حراست (Administrative Detention) کی پالیسی بھی استعمال کرتی ہے، جس کا مطلب انہیں بغیر کسی الزام یا مقدمے کے قید رکھنا ہے۔ ان کارروائیوں میں خاص طور پر القدس کے بچوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، جہاں سے سینکڑوں بچوں کو حراست میں لیا گیا ہے۔

گزشتہ دہائیوں کے دوران، غاصب یہودی وجود نے منظم پالیسیوں کے ایک ایسے سلسلے کے ذریعے جو انسانی اقدار کے بالکل منافی ہیں، اسیر بچوں کے خلاف جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا عمل جاری رکھا ہوا ہے۔ معصوم بچے یہودی وجود کی زیادتیوں اور خلاف ورزیوں کا سب سے زیادہ شکار ہونے والا طبقہ ہیں، خواہ یہ ہلاکتوں اور زخمی ہونے کی صورت میں ہو، تعلیم سے محرومی کی شکل میں ہو یا گرفتاریوں کے ذریعے۔ چھاپوں، جھڑپوں، فوجی چوکیوں، گلیوں اور سڑکوں، یا تعلیمی اداروں سے بھی دسیوں ہزار بچے اس غاصب وجود کے ظلم کا نشانہ بن چکے ہیں۔ اور اکثر تو غزہ کے بچوں کو فوجی کارروائیوں کے دوران انسانی ڈھال کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے! اسی طرح نسل کشی کی دو سالہ جنگ کے دوران 20 ہزار بچے شہید ہوئے، اور 56 ہزار سے زائد بچے یتیم ہو گئے، یعنی وہ بچے اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں سے محروم ہو چکے ہیں، جبکہ 5,100 سے زائد بچوں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر طبی علاج کی ضرورت ہے۔ یہ پالیسی آج تک جاری ہے، اور یہ نظریہ نسل کشی اور نسل مٹانے پر مبنی ہے، اور یہی کچھ اس وقت غزہ کی پٹی پر جارحیت کی صورت میں برپا ہو رہا ہے۔ قابض یہودی فوج کے سپاہی بچوں، خواتین اور بوڑھوں کو قتل اور گرفتار کرنا جاری رکھے ہوئے ہیں، اور ان کے رویے کو نہ تو کوئی اخلاقی ضابطے لگام دیتے ہیں اور نہ ہی کوئی انسانی اقدار۔ اس یہودی وجود کے قیام کے بعد سے اب تک کے دوران اس کے جرائم کے ریکارڈ پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس غاصب وجود کا انسانیت سے قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس ظلم و بربریت کے پیچھے ان انتہا پسندوں کے فتوے ہیں جو بچوں اور خواتین کا خون بہانا جائز قرار دیتے ہیں، اس خوف سے کہ کہیں وہ بڑے ہو کر اپنے آباء و اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زمین، عزت اور حق کا دفاع نہ کرنے لگیں؛ چنانچہ وہ فلسطینی نسل اور فلسطینی مزاحمت کی نئی نسل کو جڑ سے ختم کر دینے کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔

فلسطین اور غزہ کی پٹی کے بچے اور خواتین ہمیشہ سے قابض یہودی فوج کا ایک واضح اور صریح نشانہ رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن برسوں میں قابض فوج نے غزہ کی پٹی پر اپنی جارحیت کا ارتکاب کئے رکھا ہے، اس عرصہ کے دوران میں بچوں اور خواتین شہداء کی تعداد دوسرے برسوں کے مقابلے میں دگنی ہو جاتی ہے۔ چونکہ اکثر گھروں میں بچے اور خواتین موجود ہوتے ہیں، اس لیے قابض یہودی افواج ان پر میزائلوں اور بموں سے بمباری کرتی ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اور انہیں گھروں سے بے دخلی پر مجبور کیا جا سکے۔ آبادیاتی تناسب (Demographics) فلسطین کے وجود میں ایک اہم ترین پہلو ہے، اور قابض وجود فلسطین کے لوگوں کے مقابلے میں اپنی تعداد بڑھانا چاہتی ہے، کیونکہ فلسطین کے لوگوں کی بڑی آبادی یہودی وجود کے لیے بقا کا ایک خطرہ بن جائے گی۔ نیز یہ کہ قابض یہودی وجود بلا امتیاز بمباری کرتا چلا جاتا ہے، جس کا مقصد فلسطین کے لوگوں کو خوفزدہ کرنا اور مزاحمتی مجاہدین کی نئی نسل کے ابھرنے کو روکنا ہے۔ فلسطین میں رونما ہونے والے ان سانحات پر اور ہمارے معصوم بچوں کی بلا جواز گرفتاریوں اور ہمارے پیاروں پر گزرتی ہوئی ان تکالیف و مصائب پر سیاسی بے حسی اور خاموشی، دراصل مغرب بالخصوص امریکہ کی غلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اور اس غلامی پر مسلم ممالک کے حکمران طبقے عمل پیرا ہیں۔

امتِ مسلمہ کو اس وقت تک آزادی نصیب نہیں ہوگی، نہ ہی فلسطین کے عوام اور وہاں کے سسکتے بچوں کو نجات مل پائے گی، اور نہ ہی اس ظالم شیطانی یہودی وجود کے جرائم کا خاتمہ ہو گا، جب تک کہ ان حکومتوں اور کٹھ پتلی ریاستوں کا خاتمہ نہ کر دیا جائے جو ہماری ہی سرزمینوں پر استعماری مغرب کی چاکری کر رہی ہیں اور اس کافر مغرب کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ فلسطین کی یہ جنگ فیصلہ کن ہے، اور بہرحال اس جنگ نے امت پر اس کمزور، دوسروں کی مدد سے چلنے والے اس ذلیل یہودی وجود کی اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، جس کی حفاظت وہ حکومتیں کر رہی ہیں جنہوں نے امت کو گمراہ کر رکھا ہے اور امت کو ان نام نہاد سنہرے خوابوں کے پیچھے لگا رکھا ہے جنہیں ان حکومتوں نے "فرنٹ لائن ریاستیں"، "مزاحمت"، "القدس فورس" اور "ثبات و استقامت کی حامل ریاستوں" جیسے نعروں کا لبادہ اوڑھا رکھا ہے!

چنانچہ، ان حکومتوں اور سیاسی حلقوں بالخصوص حکمرانوں کے علاوہ کسی دوسرے فریق کو مخاطب کرنا ضروری تھا، اگرچہ وہ حکمران صرف ایک وجہ سے اس پیغام سے مستثنیٰ نہیں ہیں: وہ یہ کہ ان کی سیاسی غلامی ان کا اپنا انتخاب ہے، کوئی مجبوری نہیں۔ حالانکہ یہ حکمران اب بھی صرف ایک واحد اور فوری فیصلے کے ذریعے مغربی نظام کی اس غلامی سے آزاد ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، اور یہ کہ وہ

اپنی بیرکوں میں بیٹھی ہوئی افواج کو فلسطین کی طرف روانہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں کے مظلوم عوام اور معصوم بچوں کی مدد کی جا سکے، ﴿**وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ**﴾ **"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے؟"**[سورۃ النساء؛ 4:75] تاہم، دہائیوں کی بے حسی، سازشوں اور خونریزی کے بعد بھی، ان حکمرانوں کا جواب ہمیشہ بڑا واضح رہا ہے کہ، "ہم اپنے آقاؤں کی نافرمانی نہیں کریں گے!"، اور یہی وہ موڑ ہے جہاں گفتگو کے رخ کو فوری طور پر تبدیل کرنا ناگزیر ہے، جس میں امت اور اس کی افواج سے حرکت میں آنے اور ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے کا مطالبہ کیا جائے جنھوں نے دین، ریاست کے مفادات اور امت سے غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے حکم کے مطابق، فلسطین کے عوام کی حمایت اور ان کے سسکتے بچوں کو بچانے کے لئے ایک تیز ترین اور فوری کارروائی کے تحت حرکت میں آنے کے لئے ان قوم پرستانہ سرحدوں کو عبور کرنا ضروری ہے، خاص طور پر ان بچوں کی خاطر جو ان فرسودہ قوم پرست حکومتوں کے زیرِ اثر اذیتیں، ذلت اور تشدد کو جھیل رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ**﴾ **"اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد چاہیں، تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے"**[سورۃ الأنفال؛ 8:72]

جہاں تک ان حکمرانوں کا تختہ الٹنے اور منہجِ نبوت پر "خلافتِ راشدہ ثانیہ" کے قیام کا تعلق ہے ___ جو اسلام کو ایک ایسی آئیڈیالوجی کے طور پر نافذ کرے گی جو امت اور ریاست کے تمام امور اور ان کے ہر معاملات کو منظم کرے ___ تو یہاں افواج کے لئے لازم ہے کہ وہ "حزب التحریر" کو اپنی نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کریں؛ جو کہ وہ واحد سیاسی قوت ہے جو خلافتِ راشدہ قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور حزب کے پاس خلافت کے قیام اور امورِ حکومت چلانے کے لئے ایک مکمل اور واضح منصوبہ بالکل تیار موجود ہے۔ اور خلافت کے قیام کے بعد مسلمانوں کے تمام مسائل کو شریعت اور جہاد کے تناظر میں حل کیا جائے گا، اور ان مسائل میں سب سے نمایاں مسئلہ فلسطین کا ہو گا۔

فہرست

یورپ مسلمانوں کے تیل اور گیس کے بغیر چند دن گزارنے سے خوفزدہ ہے؛ تو اگر مسلم دنیا بیدار ہو گئی، تب کیا عالم ہو گا؟!

انجنیئر صلاح الدین عضاضہ، ڈائریکٹر، مرکزی میڈیا آفس، حزب التحریر

فرانس کے وزیرِ خزانہ رولان لیسکیور (Roland Lescure) نے کہا ہے کہ حکومتیں ایران کے ساتھ ممکنہ جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں سے نمٹنے کے لیے اپنے اسٹریٹجک تیل کے ذخائر سے مزید تیل جاری کرنے کے بارے میں اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتیں جب تک جنگ کے دورانیے کا واضح اندازہ نہ ہو جائے۔ اسی طرح قطر میں واقع راس لفان توانائی کمپلیکس (Ras Laffan Gas Facility)، جو دنیا کے سب سے بڑے LNG کے منصوبوں میں سے ایک ہے، پر ایرانی میزائل حملوں کے بعد برطانیہ کے گیس ذخائر میں شدید کمی واقع ہوئی، یہاں تک کہ برطانیہ کے قدرتی گیس کے ذخائر صرف 48 گھنٹے کی مقامی کھپت کے لیے کافی رہ گئے۔ یہ بیانات اور واقعات ایک ایسی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں جسے ہر صاحبِ بصیرت شخص بخوبی جانتا ہے، مگر مغربی حکمران اور مسلمانوں کے حکمران اس خوف سے اسے ہم سے چھپاتے ہیں کہ کہیں امتِ اسلامیہ اس حقیقت کو سمجھ نہ لے اور صورتحال ان کے خلاف پلٹ نہ جائے۔

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مغرب کتنا کمزور اور مسلمانوں کے وسائل پر کس قدر منحصر ہے۔ برطانیہ، جو یورپ کی سب سے طاقتور استعماری قوتوں میں شمار ہوتا ہے، قطری گیس کی فراہمی میں صرف دو دن کی رکاوٹ بھی برداشت نہ کر سکا، گویا کہ قطر برطانیہ کے صحن میں موجود کوئی ذخیرہ ہو جس سے وہ روز اپنی ضروریات پوری کرتا ہو۔ اسی طرح فرانس، جو یورپ کی دوسری بڑی طاقت ہے، جنگ کے اختتام کے وقت کے تعین کی فوری ضرورت کی بات کر رہا ہے تاکہ یہ فیصلہ کر سکے کہ اسے اپنے اسٹریٹجک تیل کے ذخائر سے کتنا تیل نکالنا ہو گا۔ دیگر یورپی ممالک کی صورتحال بھی اسی طرح ہے، بلکہ بعض کی حالت اِس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ مسلمانوں کا تیل اور گیس مغربی استعماری طاقتوں کی معیشت کا روزمرہ ایندھن ہیں۔ یہ حقیقت دو امور کو ثابت کرتی ہے:

اول: امتِ اسلامیہ ایسے اسٹریٹجک وسائل کی مالک ہے کہ اگر اسے دانشمندی سے استعمال کیا جائے، تو وہ مغربی معیشت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے، اور مغرب پر اپنی شرائط، اپنا استحقاق اور من مرضی کی قیمتیں منوا سکتی ہے، اور تابع و محکوم بننے کے بجائے ایک برابر اور خود مختار فریق بن سکتی ہے۔

دوم: استعماری کافر مسلمانوں کے وسائل اور دولت پر پل رہے ہیں، اور اُن کی معیشت کی شہ رگ اُن چیزوں سے وابستہ ہے جو مسلم ممالک سے اُن تک پہنچتی ہیں۔ یہ معاملہ صرف تیل اور گیس تک محدود نہیں، اگرچہ یہ اس کی زیادہ نمایاں مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ معدنیات، زرعی مصنوعات، کیمیائی مواد، کھادیں اور بہت سی دیگر اشیاء بھی شامل اس لسٹ میں شامل ہیں۔ یہ بھی اُس صورت میں ہے جب ان وسائل کی حقیقی قیمت ادا کی جائے۔ تو پھر آج کی اِس صورتحال کے بارے میں کیا کہا جائے جب ہم جانتے ہیں کہ استعماری طاقتیں استعماری معاہدوں کے ذریعے یہ وسائل اونے پونے داموں پر حاصل کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ خرید کم اور تحفے یا خیرات زیادہ محسوس ہوتی ہیں؟!

یقیناً مغرب کمزور اور ناتواں ہے؛ وہ امتِ اسلامیہ کے جسم میں ایک طفیلی کیڑے (parasite) کی مانند ہے۔ اگر مسلم سرزمینوں میں گہرائی تک پھیلی ہوئی وہ رگیں کاٹ دی جائیں جو اسے زندگی فراہم کرتی ہیں تو ان کی ریاستیں بہت جلد ڈھیر ہو جائیں گی۔ چند دن کی جنگ نے ہی اس حقیقت کو آشکار کر دیا، بالکل ویسے جیسے مغرب کی ناقابلِ شکست فوجی طاقت کا افسانہ بے نقاب ہو چکا ہے۔

امتِ اسلامیہ کے پاس وہ وسائل، صلاحیتیں اور افواج موجود ہیں جن کی بدولت وہ استعماری طاقتوں کی غلامی سے نجات حاصل کر سکتی ہے اور عالمی سطح پر ان کا مقابلہ بھی کر سکتی ہے۔ اس کے لیے صرف ایک مخلص قائد، ایک صالح خلیفہ درکار ہے جو امت کی صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لائے اور اسے دوبارہ اس مقامِ قیادت پر فائز کرے جس پر وہ صدیوں تک دنیا کی رہنمائی کرتی رہی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ **"اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔"** (سورۃ الصافات: 173)

فہرست

سوال وجواب: امریکہ-ایران کی جنگ اور ایران کی موجودہ پوزیشن

سوال:

امریکہ کی جانب سے ایران پر حملے اور ان حملوں کے جواب میں ایران کی کارروائیاں تین ماہ سے زائد عرصے سے جاری ہیں۔ اسی سلسلے میں "امریکی فوجی کمان نے بیان دیا کہ اس نے جزیرہ قشم پر ایران کی بری فوج کے ایک عسکری کمانڈ مرکز کو نشانہ بناتے ہوئے عین ٹھکانوں پر حملے کئے ہیں۔ اس حملہ کے رد عمل میں ایرانی پاسدارانِ انقلاب نے اعلان کیا کہ اس نے خطے میں موجود ایک امریکی اڈے کو نشانہ بنایا ہے..." [الجزیرہ، 3 جون 2026ء]۔ اسی طرح جنوبی لبنان پر یہودی وجود کی جانب سے کئے جانے والے حملے بھی مسلسل جاری ہیں۔ "جنوبی لبنان میں اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان رات بھر جھڑپیں جاری رہیں، حالانکہ ٹرمپ نے اعلان کیا تھا کہ دونوں فریق لبنان اور اسرائیل کے درمیان آج واشنگٹن میں ہونے والے مذاکرات کے نئے دور سے قبل جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں..." [بی بی سی، 2 جون 2026ء]۔ واضح رہے کہ 28 فروری 2026ء کو امریکہ نے اپنے چیلے، یہودی وجود کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف ایک جارحیت کا آغاز کیا تھا جو تقریباً چالیس دن تک جاری رہی۔ اس جارحیت میں ایران کے تقریباً چالیس کے قریب اعلیٰ سیاسی اور عسکری عہدیدار ہلاک ہو گئے، جن میں ایران کے سپریم لیڈر علی خامنہ ای بھی شامل تھے۔ امریکہ کی جانب سے اس منصوبے کا مقصد ایرانی حکومت کا تختہ الٹنا تھا یا پھر ایران کو مدار میں گردش کرتی ایک ریاست کی حیثیت سے تبدیل کر کے ایک مکمل تابع فرمان اور ایجنٹ ریاست بنانا تھا۔ تاہم ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے بعد پاکستان میں، ایران اور امریکہ کے مابین بالواسطہ مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں دونوں جانب سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ اور ان مذاکرات کے دوران امریکہ اور اس کے چیلے، یہودی وجود کی جارحیت اور ایران کے جوابی اقدامات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تاہم اب تک کسی بھی تجویز پر حتمی اتفاقِ رائے نہیں ہو سکا ہے۔ اس تناظر میں، ایران کا موجودہ مؤقف کیا ہے؟ کیا وہ ایک آزاد و خود مختار ریاست بن چکا ہے، یا اب بھی مدار میں گردش کرتی ہوئی ایک ریاست ہے، یا پھر ان دونوں حالتوں کے درمیان ڈانواں ڈول اور تذبذب کا شکار ہے؟

برائے مہربانی وضاحت فرما دیں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جواب:

مذکورہ بالا سوالات کے جواب کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے :

1- جب امریکہ نے 28 فروری 2026ء کو یہودی وجود کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف جارحیت کا آغاز کیا اور ایران کے تقریباً 40 سیاسی و عسکری رہنماؤں کو قتل کر دیا، جن میں ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت یعنی سپریم لیڈر علی خامنہ ای بھی شامل تھے، تو یہ اقدام اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ امریکہ ایران کی قیادت اور ان کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں تھا۔ امریکہ اس قیادت کو ہٹانا اور ان پالیسیوں کو تبدیل کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس قیادت میں خود مختاری کے رجحانات پائے جاتے ہیں، لہٰذا وہ ایسی قیادت لانا چاہتا تھا جو اس کی تابع فرمان اور فرمانبردار ہو۔ مورخہ 04 اپریل، 2026ء کو "ایران کے خلاف جنگی آپریشن" کے عنوان سے ایک سوال کے جواب میں ہم نے کہا تھا، "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور یہودی وجود کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جب انہوں نے ایران کے خلاف اپنی جارحیت کا آغاز کیا تو انہوں نے جنگ کے لئے ایک مختصر عرصہ مقرر کیا تھا جس کا اندازہ چار دن لگایا گیا تھا؛ جس میں ایک بڑے اور بھرپور حملے کے ذریعے ایران کی اعلیٰ قیادت، جوہری تنصیبات، میزائل فیکٹریوں اور لانچنگ سائٹس کو نشانہ بنانا شامل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی حکومت کی اعلیٰ قیادت اور پہلی صفوں کے لیڈران نشانہ بنیں گے، تو دوسرے درجہ کے قائدین خود بخود ہار مان لیں گے اور ان کی شرائط مان لیں گے، جیسا کہ وینزویلا میں ہوا تھا کہ جب امریکی افواج نے اس کے صدر کو اغوا کر لیا تو نائب صدر اور ان کے ساتھیوں نے امریکہ کے سامنے سرنڈر کر دیا تھا۔ تاہم، ایران میں سپریم لیڈر علی خامنہ ای اور بعض دیگر اعلیٰ رہنماؤں کے قتل کے بعد ایسا نہیں ہوا۔ پاسدارانِ انقلاب ڈٹے رہے اور انہوں نے اس جارحیت کا مقابلہ کرنے اور دشمنوں پر جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ نتیجتاً، امریکہ اور ایران کے درمیان ایک واضح دراڑ پیدا ہو گئی، حالانکہ ایران پہلے امریکہ کے مدار میں ہی گردش کر رہا تھا۔ اور امریکہ تو اسی تعلق کو تبدیل کرنا چاہتا تھا؛ ورنہ وہ یہ جارحیت شروع ہی نہ کرتا اور نہ ہی یہودی وجود کو یہ اجازت دیتا کہ وہ سپریم لیڈر سمیت ایرانی حکومت کی اہم ترین شخصیات کو قتل کر دے۔ یہ عوامل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امریکہ کا مقصد ایرانی حکومت کی پالیسی کو ایک سیٹلائٹ ریاست (مدار میں گھومنے والی) سے بدل کر ایک مکمل تابعدار ریاست بنانا تھا، تاکہ وہ ایران کے ساتھ مذاکرات میں اپنی شرائط منوا سکے۔ تاہم، امریکہ یہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اس نے جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے"۔ لہٰذا، موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ ایران اور امریکہ کے درمیان تعلقات تقریباً مکمل طور پر منقطع ہو چکے ہیں، سوائے اس کے کہ

دونوں ممالک کی وزارتِ خارجہ کے بعض حکام کے درمیان محدود ٹیلیفونک رابطے موجود ہیں، یا پھر پاکستان جیسے کسی تیسرے فریق کے ذریعے بالواسطہ پیغامات کا تبادلہ ہو جاتا ہے

2-ایرانی ردِ عمل مؤثر ثابت ہوا، کیونکہ ایران نے نہ تو پسپائی اختیار کی اور نہ ہی نیوکلئیر ہتھیاروں کے معاملے پر یا آبنائے ہرمز کے حوالے سے کوئی رعایت دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایرانی وزارتِ خارجہ نے کہا کہ اس کے جواب میں یہی مطالبہ کیا گیا تھا کہ 'تمام محاذوں پر جنگ بند کی جائے، جس میں لبنان بھی شامل ہے، نیز ایرانی بندرگاہوں پر امریکی بحری ناکہ بندی کے خاتمے اور برسوں قبل عائد پابندیوں کے تحت بیرونِ ملک منجمد کیے گئے ایرانی اثاثوں کی واپسی کی ضمانت کا مطالبہ بھی شامل ہے..'[العربیہ، 12 مئی 2026ء]۔ یہ سب عوامل اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ امریکی انتظامیہ نے ایران کے معاملے سے نمٹنے اور اسے ایک مطیع و فرمانبردار ریاست میں تبدیل کرنے کے لئے جو حربے اپنائے تھے، وہ سب ناکام ہو چکے ہیں؛ جس کی وجہ سے اب امریکی حکام ایرانی معاملے پر زیادہ صبر و تحمل پر مبنی نقطۂ نظر اپنانے کی تجاویز دے رہے ہیں۔

3-اب چونکہ ٹرمپ ایران کے خلاف اپنی 40 روزہ جارحیت اور قیادت کی پہلی و دوسری صف کے کئی رہنماؤں کو قتل کر دینے کے باوجود ایران کے حوالے سے اپنا بیان کردہ مقصد حاصل نہ کر سکا، تو اس لئے اس نے ایک 15 نکاتی منصوبے کا اعلان کیا ہے۔ اس منصوبے کے نکات سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہ ایران کے لئے سرنڈر کرنے کا منصوبہ ہے! یعنی اس کا مطلب ایران کو اس کی مادی طاقت و قوت یعنی میزائل اور جوہری پروگرام سے محروم کرنا ہے... اسی لئے اس پر پاسدارانِ انقلاب کی طرف سے شدید ردِ عمل سامنے آیا، جنھوں نے ٹرمپ کے مطالبات کے آگے جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب ایران نے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا اور اپنے موقف اور لڑنے کی تیاری پر اصرار کیا، تو امریکہ نے ایک معاہدے پر دستخط کے لئے مذاکرات کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ امریکہ نے اپنے دوسرے اعلیٰ ترین عہدیدار، نائب صدر جے ڈی وینس (JD Vance) کو 11 اپریل 2026ء کو ایرانیوں سے مذاکرات کے لئے پاکستان بھیجا۔ وینس نے کہا، "اب گیند مکمل طور پر ان کے کورٹ میں ہے... آپ پوچھتے ہیں کہ آگے کیا ہوگا، میرا خیال ہے کہ اب ایرانی ہی طے کریں گے کہ آگے کیا ہونا ہے۔ میں صرف یہ نہیں کہوں گا کہ معاملات خراب ہوئے ہیں، بلکہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ چیزیں ٹھیک بھی ہوئی ہیں۔ ہم نے بہت پیش رفت کی ہے... وہ ہمارے موقف کی طرف بڑھے ہیں، اسی لئے میرا خیال ہے کہ ہم یہ کہہ

سکتے ہیں کہ ہمیں کچھ اچھے اشارے ملے تھے، لیکن وہ اتنا آگے نہیں بڑھے جتنا آگے انہیں آنا چاہیے تھا... بہر حال ہمیں یہ سمجھنے کا موقع ملا کہ ایرانی کس طرح مذاکرات کرتے ہیں، اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کے باعث ہم پاکستان سے واپس چلے گئے... ہمیں جو بات سمجھ آئی وہ یہ ہے کہ، میرا خیال ہے - (ایران کی جانب سے) جو ٹیم وہاں موجود تھی، وہ کوئی حتمی معاہدہ کرنے کے قابل نہیں تھی... بہر حال ایرانیوں نے جو کچھ کر دیا ہے، وہ پوری دنیا کے خلاف اقتصادی دہشت گردی کی کارروائی ہے۔ انہوں نے بنیادی طور پر آبنائے ہرمز سے گزرنے والے ہر بحری جہاز کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ خیر، جیسا کہ صدرِ امریکہ نے دکھا دیا ہے، یہ کھیل دونوں طرف سے کھیلا جا سکتا ہے..." [فاکس نیوز، 13 اپریل، 2026ء]۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب امریکی صدر نے دیکھا کہ ایران نے ان کی بعض شرائط قبول کر لی ہیں تو وہ مزید مطالبات کرنے پر بے تاب ہو گیا، جیسا کہ اس کے نائب صدر نے کہا، کہ صدر ٹرمپ ایران کے ساتھ کوئی محدود معاہدہ نہیں چاہتے، بلکہ وہ ایک جامع اور بڑے پیمانے کے معاہدے (Grand Bargain) کے خواہاں ہیں۔

4- بعد ازاں، ٹرمپ نے ایران کے ساتھ جنگ بندی میں غیر معینہ مدت تک توسیع کا اعلان کر دیا، اور یہ اعلان اس جنگ بندی کے ختم ہونے سے صرف چند گھنٹے پہلے کیا گیا جو اس نے تقریباً دو ہفتے قبل عائد کی تھی اور اس کی میعاد ختم ہونے ہی والی تھی۔ اس کے مطابق اس توسیع کا مقصد "دونوں ممالک کو امن مذاکرات جاری رکھنے کا موقع فراہم کرنا" تھا [الجزیرہ، 22 اپریل 2026ء]۔ تاہم، ایران نے دباؤ کے تحت مذاکرات کرنے سے انکار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس کی بندرگاہوں پر امریکی ناکہ بندی ختم کی جائے۔ 20 اپریل، 2026ء کو ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل (Truth Social) پلیٹ فارم پر، جون 2025ء میں یہودی وجود کی جانب سے یورینیم افزودگی کی تنصیبات پر کیے گئے حملوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا: "آپریشن مڈنائٹ ہیمر (Midnight Hammer) نے ایران میں جوہری تنصیبات کو مکمل اور فیصلہ کن طور پر تباہ کر دیا تھا، لہٰذا وہاں سے مواد نکالنا ایک طویل اور دشوار عمل ہو گا"۔ یہ بیان دراصل ٹرمپ کے اس مطالبے میں نرمی لانے کی کوشش تھی کہ ایران اپنی افزودہ یورینیم کو امریکہ یا کسی تیسرے فریق کے حوالے کر دے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ (ٹرمپ) اپنے ملک کے مقاصد کو جنگ کے بجائے مذاکرات کے ذریعے حاصل کرنے کی طرف زیادہ مائل ہے، کیونکہ اس کے نزدیک جنگ کے ذریعے ان اہداف کا حصول آسان نہیں۔ یہی بات اس کے مؤقف میں آنے والی نرمی کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ جنگ بندی کسی مقررہ مدت کی پابند نہیں، اور تقریباً 441 کلوگرام ایسے یورینیم کو حاصل کرنا، جو 60 فیصد تک افزودہ کیا جا چکا ہے، ایک مشکل کام ثابت ہو رہا ہے۔

5- 13 اپریل، 2026ء کو، ایرانی وزیرِ خارجہ عباس عراقچی نے 'ایکس (X)' پلیٹ فارم پر پاکستان میں امریکہ کے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں پیش رفت کا انکشاف کیا، جن میں وہ اپنے ملک کی جانب سے وفد کا حصہ تھے۔ انہوں نے بیان کیا، "47 برسوں میں اعلیٰ ترین سطح پر ہونے والے انتہائی اہم مذاکرات میں، ایران نے جنگ کے خاتمے کے لئے امریکہ کے ساتھ نیک نیتی سے بات چیت کی۔ لیکن جب ہم 'اسلام آباد مفاہمتی یادداشت '(Islamabad MoU)' سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے تو ہمیں مزید سے مزید تر مطالبات، مسلسل بدلتی ہوئی شرائط، اور ناکہ بندی کا سامنا کرنا پڑا"۔ عراقچی کا یہ بیان ٹرمپ کے نائب صدر کے اس مؤقف سے مطابقت رکھتا ہے کہ فریقین کسی حد تک ایک معاہدے کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن ٹرمپ اس سے زیادہ چاہتا تھا! وہ چاہتا ہے کہ ایران ہتھیار ڈال دے اور خطے کے دیگر ممالک کی طرح ایک تابع ریاست بن کر رہے۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ، "ان کی 'قیادت' کے اندر شدید اختلافات اور انتشار پایا جاتا ہے... کسی کو معلوم ہی نہیں کہ اصل اختیار کس کے پاس ہے، حتیٰ کہ خود انہیں بھی معلوم نہیں... اگر وہ بات چیت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں صرف ایک فون کال ہی کرنی ہے!!!" (فاکس نیوز، 25 اپریل، 2026ء)۔

6- ایران اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ ٹرمپ کی داخلی ملکی صورتحال کے پیشِ نظر اور نومبر میں ہونے والے کانگریس کے مڈٹرم انتخابات میں ٹرمپ کی ریپبلکن پارٹی کو ممکنہ ہار سے بچانے کے لئے، امریکہ ایک باضابطہ مکمل جنگ کئے بغیر کشیدگی کو کم کرنے کی اشد ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ ان انتخابات میں شکست ٹرمپ کی صدارت پر منفی اثر ڈالے گی، کیونکہ اسے جنگیں لڑنے سمیت دیگر متعدد معاملات پر کانگریس کی منظوری درکار ہوتی ہے، نیز مڈٹرم انتخابات کی یہ شکست آئندہ دو سال بعد ہونے والی اس کی صدارتی مہم کو بھی متاثر کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ، ٹرمپ کے پیشِ نظر معاملات میں امریکہ میں ہونے والے فٹ بال ورلڈ کپ کی میزبانی بھی ہے، جس کا آغاز 11 جون 2026ء سے ہو رہا ہے۔ اسی بنا پر ایران نے اپنی پوزیشن کو مزید مضبوط بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ وہ امریکہ اور اس کے چیلے، یہودی وجود کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے کے لئے مکمل طور پر تیار ہے۔ یوں یہاں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایرانی حکومت کے اندر کا ایک دھڑا، یعنی پاسدارانِ انقلاب، اب اپنے بل بوتے پر اور اپنے فیصلے پر عمل پیرا ہے، اور وہ امریکہ سے آزادی کا خواہاں ہے؛ یہ گروہ اس سیاسی دھڑے کے برعکس ہے جو امریکہ کے ساتھ روابط رکھنا چاہتا ہے اور ایک ماتحت ریاست بنے بغیر نہ سہی لیکن بہرحال کم از کم امریکہ کے زیرِ اثر مدار میں رہ کر کام کرنے کا خواہش مند ہے۔

7- ٹرمپ نے ایران پر دباؤ ڈالنے کی کوشش میں ایک اور حربہ اپنایا۔ چنانچہ 4 مئی 2026 کو، اس نے ”آپریشن پروجیکٹ فریڈم “ (Operation Project Freedom) کے نام سے ایک مہم کا اعلان کیا، جس کا ظاہری مقصد ان ممالک کے بحری جہازوں کی مدد کرنا تھا جنہیں اس نے غیر جانبدار قرار دیا تھا اور جو آبنائے ہرمز میں پھنسے ہوئے تھے اور جن کا مشرقِ وسطیٰ کے بحران سے کوئی تعلق نہیں تھا، تاکہ ان بحری جہازوں کو اس گزرگاہ سے گزرنے میں مدد کی جائے۔ لیکن جب یہ مہم ناکام ہو گئی، تو اس نے اس پروجیکٹ کو روک دیا اور 6 مئی 2026ء کو علی الصبح اپنے 'ٹروتھ سوشل (Truth Social) 'پلیٹ فارم پر اس آپریشن کو معطل کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ، ”پاکستان اور دیگر ممالک کی درخواست، ایران کے خلاف مہم کے دوران حاصل ہونے والی ہماری زبردست فوجی کامیابی، اور اس کے علاوہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ایران کے نمائندوں کے ساتھ ایک مکمل اور حتمی معاہدے کی طرف بڑی اہم پیش رفت ہوئی ہے، چنانچہ ہم نے باہمی طور پر اتفاق کیا ہے کہ اگرچہ (بحری) ناکہ بندی پوری قوت کے ساتھ نافذ العمل رہے گی، لیکن 'پروجیکٹ فریڈم' (آبنائے ہرمز کے راستے بحری جہازوں کی نقل و حرکت) کو ایک مختصر مدت کے لئے روک دیا جائے گا تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ معاہدے کو حتمی شکل دے کر اس پر دستخط کیے جاسکتے ہیں یا نہیں“ ...

8- مورخہ 06 مئی، 2026ء کو امریکی نیوز ویب سائٹ Axios نے ایک پاکستانی ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کرتے ہوئے بیان کیا کہ، ”وائٹ ہاؤس کا خیال ہے کہ وہ ایران کے ساتھ جنگ کے خاتمے اور مزید تفصیلی نیوکلئیر مذاکرات کے لئے ایک فریم ورک طے کرنے کے مقصد سے ایک صفحے پر مشتمل مفاہمتی یادداشت (Memorandum of Understanding) کے معاہدے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ بات دو امریکی حکام اور اس معاملے سے باخبر دو دیگر ذرائع نے بتائی ہے... دیگر شقوں کے علاوہ، اس معاہدے میں ایران کی جانب سے یورینیم افزودگی پر عارضی پابندی قبول کرنا، امریکہ کی جانب سے عائد کردہ پابندیاں اٹھانا اور منجمد ایرانی فنڈز میں سے اربوں ڈالر جاری کرنا، اور دونوں فریقوں کی جانب سے آبنائے ہرمز سے گزرنے والی آمدورفت پر عائد پابندیوں کو ختم کرنا شامل ہو گا“۔ اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ٹرمپ ایران کے ساتھ جلد از جلد کسی معاہدے تک پہنچنے کا خواہاں ہے، کیونکہ دوبارہ جنگی کارروائیاں شروع کرنے کے لئے کانگریس کی منظوری درکار ہو گی، جس کا ملنا یقینی نہیں۔ مزید یہ کہ دوبارہ جنگ چھیڑ دینا غیر متوقع نتائج کا حامل ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ پہلے ہی اس راستے کو آزما چکا ہے اور ناکام رہا ہے۔ اسی طرح خلیج میں پھنسے ہوئے جہازوں کو بچانے کے لئے اس کا منصوبہ، آپریشن پروجیکٹ فریڈم، کامیاب ہونے میں طویل وقت لے سکتا ہے اور خطرات سے بھرپور ہے،

کیونکہ ایران جوابی کارروائی کی دھمکیاں دے رہا ہے، جس سے ان جہازوں کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے جنہیں بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ٹرمپ، جو پراپرٹی کے کاروبار سے وابستہ ایک معروف تاجر ہے، سیاسی معاملات میں بھی جلد از جلد اور منافع بخش سودے کرنا چاہتا ہے، گویا وہ سیاست کو بھی ایک کاروباری لین دین کی طرح سے ہی دیکھتا ہے!

9- امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اتوار کے روز اس جواب کو مسترد کرنے کا اعلان کیا ہے جو ایران نے خطے میں جنگ کے خاتمے کی امریکی تجویز پر پاکستانی ثالث کے ذریعے پیش کیا تھا۔ ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں لکھا، "میں نے ابھی ابھی ایران کے نام نہاد "نمائندوں" کی طرف سے بھیجا گیا جواب پڑھا ہے، یہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں آیا- یہ کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہے"۔ ٹرمپ کی جانب سے ایرانی جواب کو مسترد کیے جانے پر اپنے پہلے ردعمل میں ایرانی ٹیلی ویژن نے کہا کہ، "تہران نے جنگ کے خاتمے کی امریکی تجویز پر جو جواب دیا تھا، جسے ٹرمپ نے ناقابلِ قبول قرار دے دیا ہے، اس میں ایرانی عوام کے بنیادی حقوق پر اصرار کیا گیا تھا"۔ ایرانی ٹیلی ویژن نے مزید کہا کہ "تہران نے امریکی تجویز کو اس لئے مسترد کیا کیونکہ اسے قبول کرنے کا مطلب "سرنڈر کرنا" تھا۔ ٹیلی ویژن نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ ایرانی جواب میں اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ امریکہ جنگ کا ہرجانہ ادا کرے، اور آبنائے ہرمز پر ایران کے مکمل کنٹرول اور خود مختاری کو قبول کرلے..."[العربی الجدید، 11 مئی، 2026ء]

10- ایران کے اس جواب نے امریکی صدر ٹرمپ کو غصہ دلا دیا، اس نے 12 مئی، 2026ء کو کہا: "میں یہ کہوں گا کہ جنگ بندی اس وقت انتہائی نازک حالت میں ہے، بالکل ایسے جیسے کوئی ڈاکٹر آکر کہے: "جناب، آپ کے عزیز کے زندہ بچنے کے امکانات تقریباً صرف 1 فیصد رہ گئے ہیں"۔ ٹرمپ نے مزید کہا، "ان کا خیال ہے کہ میں اس معاملے سے تھک جاؤں گا، یا اکتا جاؤں گا، یا مجھ پر کسی قسم کا پریشر پڑے گا— لیکن ہرگز کوئی پریشر نہیں ہے، بالکل بھی کوئی پریشر نہیں"۔ اس نے یہ بھی کہا: "کچرے کا وہ ٹکڑا جو انہوں نے ہمیں بھیجا ہے، اسے پڑھنے کے بعد میں اسے اس وقت کی کمزور ترین پوزیشن کہوں گا- میں نے تو اسے پورا پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا..."[الشرق الاوسط، 12 مئی، 2026ء]۔ تاہم، ٹرمپ نے یہ بھی کہا، "میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں ایران کے معاملے میں کسی کی مدد کی ضرورت ہے"، اور اس نے اعلان کیا کہ امریکہ یہ جنگ "کسی نہ کسی طریقے سے" جیت ہی جائے گا۔ اس نے مزید کہا، "مجھے صرف یہ پرواہ ہے کہ: ہم ایران کو کسی صورت میں بھی نیوکلیئر ہتھیار رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے، اور یہ بات قطعی طے شدہ ہے۔ اور صرف یہی ایسا معاملہ ہے جو مجھے متحرک رکھتا ہے"[الجزیرہ، 12 مئی، 2026ء]۔

11- اس کے بعد فریقین نے معاہدے میں ترمیم یا اسے بہتر بنانے کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔ نیوز ویب سائٹ، Axios کی ایک رپورٹ، جس کا 23 مئی، 2026ء کو 'النجاح نیوز' نے حوالہ دیا، اس رپورٹ کے مطابق ایک امریکی عہدیدار نے کہا: "امریکہ اور ایران جس معاہدے پر دستخط کرنے کے قریب ہیں، اس میں 60 روزہ جنگ بندی میں توسیع شامل ہے۔ اس مدت کے دوران آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھول دیا جائے گا، ایران آزادانہ طور پر تیل فروخت کر سکے گا، اور ایران کے جوہری پروگرام کو محدود کرنے کے بارے میں مذاکرات کیے جائیں گے"۔ اسی امریکی عہدیدار کے مطابق، ... "اس 60 روزہ مدت کے دوران آبنائے ہرمز کھلی رہے گی، وہاں کسی قسم کا ٹول یا محصول عائد نہیں ہو گا، اور ایران اس آبنائے میں بچھائی گئی بارودی سرنگوں کو ہٹانے پر رضامند ہو گا تاکہ جہاز آزادانہ طور پر گزر سکیں"۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ آزادئ جہاز رانی (جہازوں کی نقل و حرکت میں آزادی) مجوزہ معاہدے کی بنیاد ہو گی۔ اس کے بدلے میں امریکہ ایرانی بندرگاہوں پر عائد ناکہ بندی ختم کرے گا اور بعض دیگر پابندیوں میں چھوٹ دے گا تاکہ ایران آزادانہ طور پر اپنا تیل فروخت کر سکے۔ رپورٹ کے مطابق معاہدے کے مسودے میں یہ شقیں بھی شامل ہیں کہ ایران کبھی بھی نیوکلیئر ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ایران اپنے یورینیم افزودگی پروگرام کی معطلی پر مذاکرات کرے گا، اور تقریباً مکمل طور پر افزودہ کردہ یورینیم کے اپنے ذخائر کو ختم کرنے کے بارے میں بھی بات چیت کرے گا۔ Axios کی اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ امریکہ 60 روزہ مدت کے اندر ایران پر عائد پابندیوں کے خاتمے اور منجمد ایرانی فنڈز کی بحالی کے حوالے سے مذاکرات کرنے پر آمادہ ہو گا۔ تاہم، رپورٹ کے مطابق، اس خبر پر وائٹ ہاؤس کی جانب سے ابھی تک کوئی باضابطہ ردِ عمل سامنے نہیں آیا تھا۔

12- العربیہ نے 29 مئی 2026ء کو رائٹرز (Reuters) کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ امریکہ اور ایران جنگ بندی میں توسیع، آبنائے ہرمز میں جہاز رانی پر عائد پابندیوں کے خاتمے، ایرانی بندرگاہوں پر امریکی ناکہ بندی کے خاتمے، اور ایران پر عائد بعض پابندیوں کو اٹھانے کے بارے میں ایک معاہدے تک پہنچ گئے ہیں۔ تاہم، اس معاہدے کو ابھی حتمی شکل نہیں دی گئی۔ رپورٹ کے مطابق، اگر یہ معاہدہ طے پا جاتا ہے تو یہ اس جنگ کے خاتمے کی جانب ایک بڑا قدم ہو گا، جس نے دنیا کو توانائی کے بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ تاہم، ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق بنیادی اختلافات پر آئندہ چند ہفتوں میں ہونے والے مذاکرات میں ہی بات چیت کی جائے گی۔ ٹرمپ کے نائب صدر، جے ڈی وینس (JD Vance) نے جمعرات 28 مئی، 2026ء کو کہا: "ہم ابھی (حتمی نتیجے تک) نہیں پہنچے ہیں، لیکن ہم اس کے بہت قریب ہیں اور ہم اس پر کام جاری رکھیں گے"۔ ایران نے ابھی تک اس پر کوئی باضابطہ تبصرہ نہیں

کیا ہے۔ تاہم، ایران کی نیم سرکاری نیوز ایجنسی 'تسنیم' نے مذاکراتی ٹیم کے ایک قریبی ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ معاہدے کا متن ابھی تک نہ تو حتمی ہوا ہے اور نہ ہی اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ 2015ء میں ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق کسی معاہدے تک پہنچنے کے لئے اسپیشلسٹ اور ماہرین کی بڑی ٹیموں کے درمیان کئی سال تک مذاکرات جاری رہے تھے۔ بعد ازاں، ٹرمپ نے اپنی پہلی صدارتی مدت کے دوران 2018ء میں اس معاہدے سے امریکہ کو الگ کر لیا تھا۔[العربیہ، 29 مئی، 2026ء]

13- وائٹ ہاؤس نے کہا ہے کہ صدر ٹرمپ تہران کے ساتھ اس وقت تک کوئی معاہدہ نہیں کریں گے جب تک ان کی تمام شرائط پوری نہ ہو جائیں۔ ویب سائٹ Axios نے امریکی انتظامیہ کے ایک عہدیدار کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ ایران کے ساتھ معاہدے کے اعلان میں کئی دن یا ایک ہفتے سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے، یہاں تک کہ صدر ٹرمپ اپنی مطلوبہ شرائط منوا لیں۔ ویب سائٹ کے مطابق، ٹرمپ کے تحفظات میں چند ایسے نکات شامل ہیں جن میں وہ معاہدے میں ترمیم چاہتے ہیں، جیسا کہ: آبنائے ہرمز کو مکمل طور پر کھولنا، امریکہ کو افزودہ یورینیم حاصل ہونا، اور ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق مسودۂ معاہدہ میں مزید تبدیلیاں۔ اسی دوران، The New York Times نے رپورٹ کیا کہ ٹرمپ کی نئی ترامیم، پاکستانی ثالثوں کی شرکت کے ساتھ، غور و خوض کے لئے دوبارہ تہران بھیج دی گئی ہیں تاکہ ایرانی قیادت ان پر فیصلہ کر سکے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ایران کے نئے رہبر اعلیٰ مجتبیٰ خامنہ ای کے ساتھ براہِ راست رابطے کی دشواری کے باعث معاہدے کے باضابطہ اعلان میں مزید تاخیر کا امکان ہے۔ دریں اثناء، امریکی سنٹرل کمانڈ (USCENTCOM) ایرانی بندرگاہوں پر اپنی بحری ناکہ بندی مسلسل سخت کر رہی ہے...[الجزیرہ، 31 مئی، 2026ء]۔

14- دریں اثنا، جبکہ ٹرمپ اور ایران کے درمیان معاہدہ تاحال غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے، اسی دوران، یہودی وجود نے جنوبی لبنان کے خلاف اپنی جارحیت جاری رکھی ہوئی ہے:

الف) "'اسرائیلی' فوج نے بیان دیا کہ اس نے بھاری توپ خانے اور فضائی مدد کے ساتھ ہونے والی شدید جھڑپوں کے بعد قلعة الشقيف (Beaufort Castle) پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ کارروائی فروری 2026ء کے اواخر میں امریکہ-'اسرائیل'-ایران جنگ کے تناظر میں حزب اللہ کے ساتھ چھڑنے والے تصادم کے حصے کے طور پر النبطية، وادي السلوقي، اور وادي الحجير کے علاقوں میں ہونے والی وسیع پیمانے کی کشیدگی کے ساتھ ہی سامنے آئی ہے..." [الجزیرہ، یکم جون، 2026ء]۔

ب)"وزیرِ اعظم نیتن یاہو کی جانب سے فوجی کشیدگی کی ہدایات کے اعلان کے چند گھنٹے بعد 'اسرائیلی' فوج نے بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں (ضاحیہ) کے رہائشیوں کے لئے علاقہ خالی کرنے کی وارننگ جاری کی۔ پیر کی سہ پہر جاری ہونے والے ایک بیان میں 'اسرائیلی' فوج نے کہا کہ اگر حزب اللہ نے 'اسرائیلی' شہروں اور قصبوں پر راکٹ فائر کرنا جاری رکھا، تو وہ جواب میں بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں میں اہداف کو نشانہ بنائے گی..." [الجزیرہ، یکم جون، 2026ء]۔

ج) اگرچہ 'العربیہ نیٹ' نے 02 جون، 2026ء کو یہ خبر شائع کی کہ امریکی صدر ٹرمپ نے "ایک فون کال میں اشارہ دیا تھا کہ ایک معمولی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا، لیکن انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ انہوں نے اس سے بہت جلدی نمٹ لیا ہے، اور وضاحت کی کہ یہ معاملہ لبنان پر 'اسرائیلی' حملوں کے حوالے سے ایرانی ناراضگی سے متعلق تھا، اور مزید کہا کہ، "اس لئے، میں نے حزب اللہ سے بات کی، اور میں نے کہا کوئی گولی نہیں چلے گی، اور میں نے اسرائیلی وزیرِ اعظم بنجمن نیتن یاہو سے بات کی، اور کہا، کوئی فائرنگ نہیں ہو گی، اور ان دونوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کرنا بند کر دی..." [العربیہ نیٹ، 02 جون، 2026ء]۔ تاہم، یہودی وجود نے اس ہدایت پر پورے لبنان تک کے لئے عمل نہیں کیا بلکہ صرف بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں تک ہی محدود رکھا، جبکہ جنوبی لبنان کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب ٹرمپ کی رضامندی اور حمایت سے ہی ہو رہا ہے، کیونکہ اسرائیل ٹرمپ کی ہدایات سے انحراف نہیں کر سکتا، اور اسی تناظر میں جنوبی لبنان پر حملے جاری رہے۔ اس حوالے سے "'اسرائیل کے بارے میں ہمارا مؤقف تبدیل نہیں ہو گا' کے عنوان کے تحت، نیتن یاہو نے کہا کہ اس نے ٹرمپ کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر حزب اللہ نے "اسرائیل" پر حملے بند نہ کئے تو اس کی افواج بیروت کو نشانہ بناتی رہیں گی۔ اس نے اپنے دفتر کے جاری کردہ بیان کے مطابق مزید کہا کہ، "اس معاملے پر ہمارا مؤقف تبدیل نہیں ہوا، اور اسی وقت اسرائیلی فوج جنوبی لبنان میں اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق کارروائیاں جاری رکھے گی" [انڈیپنڈنٹ عربیہ، 02 جون، 2026ء]۔ اسی طرح "جنوبی لبنان میں اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان رات بھر جھڑپیں جاری رہیں، حالانکہ ٹرمپ نے اعلان کیا تھا کہ دونوں فریق جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں، اور آج واشنگٹن میں لبنان اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کے نئے دور کا انعقاد ہونا ہے" [بی بی سی، 02 جون، 2026ء]

15- چنانچہ واقعات کے اس تسلسل اور ان کے نتائج سے درج ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں:

الف) ایران اور امریکہ کے درمیان ناچاقی برقرار ہے، اور موجودہ حالات میں ان دونوں کے درمیان ایسا کوئی ربط اور میل جول نہیں ہے جس کے تحت ایران خطے میں ماضی کی طرح امریکہ کی ایک سیٹلائیٹ ریاست کے طور پر مل کر کام کرتا رہے۔ یہ بات خاص طور پر اس لئے درست ہے کیونکہ اب ایران میں حکومت پر پاسدارانِ انقلاب کا کنٹرول ہے، اور وہ آزادی و خود مختاری کے لئے زور دے رہے ہیں، جس کا مطلب امریکی دائرہ اثر میں واپس جانے سے انکار ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ حکومت پر ان کا کنٹرول برقرار رہے گا، کیونکہ نئے رہبر اعلیٰ، مجتبیٰ خامنہ ای کے انتخاب میں ان کا کلیدی کردار تھا۔ اسی طرح حکمرانی کے اہم ترین معاملات، جیسے کہ جنگ اور اندرونی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے، نئے رہبر اعلیٰ اپنی حکومت برقرار رکھنے کی خاطر انہی پر انحصار کرتے ہیں۔ اگرچہ ایران میں سیاسی طبقہ اب بھی موجود ہے—جس میں صدر، وزیر خارجہ اور پارلیمنٹ کے اسپیکر شامل ہیں—اور اگرچہ ان کا حتمی مقصد ایران کو دوبارہ امریکی دائرہ اثر میں واپس لانا ہے، لیکن ان کا حقیقی اثر و رسوخ پاسدارانِ انقلاب کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

ب) اس کے برعکس، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اب تک ایران کی حکومت کو اپنے تابع بنانے میں ناکام رہا ہے، جیسا کہ اس نے مسلم ممالک کی دیگر کٹھ پتلی حکومتوں کو اپنا مطیع بنا رکھا ہے۔ اپنی ناکامیوں کے باوجود، ٹرمپ اب بھی اس بات پر بضد ہے کہ ایرانی حکومت اس کے تابع ہو جائے، نہ کہ صرف اس کے دائرہ اثر کے گرد ہی گھومتی رہے جیسے وہ کبھی ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ وہ ایران سے سب کچھ منوانا چاہتا ہے—اپنی شرائط کا 100 فیصد، نہ کہ 90 یا 95 فیصد، جیسا کہ وہ خود کہتا ہے: "وہ اس طرح آئے جیسے سارے پتے (کارڈز) ان کے ہاتھ میں ہوں، لیکن پتے ان کے پاس نہیں ہیں... میری پیش گوئی ہے کہ وہ واپس آئیں گے اور ہمیں وہ سب کچھ دیں گے جو ہم چاہتے ہیں... مجھے 95 فیصد نہیں چاہیے۔ میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ مجھے سب کچھ چاہیے" [ٹی وی لبنان، 12 اپریل، 2026ء]۔ اور آج ہی، بدھ 3 جون 2026ء کو ٹرمپ نے کہا: "ایران کی صورتحال تیزی سے بدل رہی ہے—اور یہ بہت اچھی ہو گی"، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایران نیوکلیئر ہتھیار نہ رکھنے پر راضی ہو گیا ہے..." [العربیہ، 03 جون، 2026ء]۔ اگرچہ ٹرمپ کے بیانات ہمیشہ مکمل طور پر درست نہیں ہوتے، لیکن یہ اس کے اعلانیہ موقف ہیں: وہ چاہتا ہے کہ ایران ایک ماتحت ریاست بن جائے جو اس کی مخالفت نہ کرے، حالانکہ ٹرمپ اس سلسلے میں اب تک ناکام رہا ہے! اپنی اس ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے، وہ الفاظ کا ہیر پھیر کرتا رہتا ہے، بار بار معاہدوں کی تجاویز پیش کرتا ہے اور بعد میں خود ہی ان کی مخالفت کرنے لگتا ہے... اور یہی سلسلہ چل رہا ہے!

ج) جہاں تک اس امر کا تعلق ہے جو ٹرمپ اور اس جیسے دیگر غیر مسلم استعماری طاقتوں کو، اگر انہوں نے مسلم سرزمینوں پر جارحیت کے بارے میں محض سوچا بھی تو ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا، اور ہر کافر کو واپس اس کی کمین گاہ تک دبکا دے گا—اگر اس کے پاس اب بھی کوئی باقی بچا ہو—تو وہ امر، خلافتِ راشدہ کا دوبارہ قیام ہے۔ اور خلافت، ان شاء اللہ، ضرور قائم ہو کر رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ **"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (اقتدار کی جانشینی) عطا فرمائے گا"**[سورۃ النور؛ 24:55]۔ اور یہ اس جابرانہ دورِ حکومت کے بعد، جس میں ہم جی رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی بشارت اور خوشخبری ہے۔ امام احمدؒ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» "پھر جابرانہ بادشاہت (ظالم دورِ حکومت) ہو گی، اور یہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ یہ رہے۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ پھر عین نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے"**۔ چنانچہ، ایک ایسا خلیفہ ہو گا جس کے پیچھے رہ کر مسلمان مل کر لڑیں گے اور اس کے ذریعے سے ہی وہ محفوظ رہیں گے، یوں اسلام اور مسلمانوں کو عزت ملے گی اور کفر و کفار ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن مومنین خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہی نہایت غالب، بہت رحم فرمانے والا ہے"**[سورۃ الروم؛30:4-5]۔

17 ذي الحجة، 1447ھ، بمطابق، 03 جون، 2026ء

فہرست

بجٹ 2026-27: آئی ایم ایف فِسکل اصلاحات کے نام پر ہماری معیشت کی پیداواری صلاحیت اور اکثریتی عوام کی معاشی حالت کو کچل رہا ہے، اور حکمران اسے میکرو اکنامک استحکام کہتے ہیں!

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

اب وہ وقت گزر چکا ہے جب حکمران آئی ایم ایف کی ڈکٹیشنز کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کرتے تھے کہ بجٹ عوامی نمائندوں، کاروباری حلقوں کی تجاویز اور ملک کے ماہرینِ معیشت کی محنت کا ثمر ہے۔ بلکہ اب وزیراعظم یہ بتانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ تنخواہوں میں اضافے یا بجلی وپٹرول کی قیمتوں میں سبسڈی کے لیے آئی ایم ایف سے بات، یعنی اجازت، طلب کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئی ایم ایف فسکل اصلاحات کے نام پر پاکستان کی معیشت کی مائیکرو مینجمنٹ کر رہا ہے۔ آئی ایم ایف معیشت کے جس شعبے پر چاہتا ہے ٹیکس عائد کر دیتا ہے، جس شعبے کے لیے چاہتا ہے سبسڈی بند کر دیتا ہے، اور جب چاہتا ہے درآمدات و برآمدات سے متعلق پالیسیوں میں تبدیلی کا حکم دے دیتا ہے۔ یہی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی "مجوزہ" اصلاحات تھیں جنہوں نے پاکستان کی توانائی کے شعبے کو بری طرح متاثر کیا۔ آئی ایم ایف پاکستان کی معیشت کو خود کفالت پر مبنی اور مضبوط پیداواری صلاحیت کی حامل معیشت بننے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے، جس میں ٹیکسوں کی بھرمار اور توانائی کی ہوش ربا قیمتوں کا بنیادی کردار ہے۔

اسلام کفار کو مسلمانوں کے امور میں مداخلت، غلبے یا کسی بھی قسم کے اثر و رسوخ رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن ہمارے حکمرانوں نے آئی ایم ایف کے ایجنڈے پر چلتے ہوئے سال 2000ء میں 362 ارب روپے کے ٹیکس ہدف سے بڑھتے ہوئے مالی سال 2026-27 کے لیے ٹیکس وصولیوں کا ہدف تقریباً ساڑھے پندرہ ہزار ارب روپے مقرر کیا ہے۔ جو ڈالروں میں ٹیکس وصولی میں سات گنا جبکہ پاکستانی روپوں میں 42 گنا سے بھی زیادہ بنتا ہے۔ عوام کی جیبوں پر اس کھلے ڈاکے کے باوجود نہ تو تجارتی خسارہ ختم ہوا اور نہ ہی آئی ایم ایف کی ڈکٹیشن پر مبنی فسکل اصلاحات کا سلسلہ رکا ہے۔ آئی ایم ایف کے پچیس پروگراموں کے باوجود غربت میں مسلسل اضافہ اور معیشت کی محدود پیداواری صلاحیت کسی بھی عقل و شعور رکھنے والے شخص پر یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ آئی ایم ایف کا ایجنڈا پاکستانی معیشت کو محدود کرنا، ہمیں مغربی معیشتوں کی خام مال کی سپلائی چین کا حصہ بنانا اور پاکستان کو گریٹ پاور بننے سے روکنا ہے، تاکہ پاکستان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے اسلام کے غلبے کے عظیم فرض اور مسلم دنیا سے امریکہ اور مغرب کو باہر نکالنے کے

ایجنڈے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:﴿**وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا**﴾ **"اور اللہ نے ہرگز کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ (غلبہ یا تسلط) نہیں دی ہوئی۔"** (سورۃ النساء: 141)

لیکن ان حکمرانوں کو نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواہ ہے، نہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی، اور نہ ہی شریعتِ اسلامیہ کی۔ اسی طرح انہیں پاکستان کے ان عوام کا بھی کوئی احساس نہیں جو مسلسل غربت کے تاریک گڑھے میں پھسلتے جا رہے ہیں۔

پاکستان جغرافیائی محل وقوع اور فوجی اعتبار سے مضبوط طاقت کا حامل ہے، اور مسلم دنیا کی قیادت کا بھرپور اہل ہے۔ اس لئے پاکستان کو کمزور رکھنا امریکی ایجنڈے کا لازمی حصہ ہے۔ اسی لئے پاکستان کے توانائی کے شعبے کو دانستہ تباہ و برباد کیا گیا۔ پاکستان میں توانائی کی قیمتیں خطے کے دیگر ممالک کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہیں، جبکہ انرجی درآمدات صرف ڈالروں میں، اور وہ بھی امریکی عالمی آرڈر کی منظور شدہ ممالک سے کرنے کی اجازت ہے، حالانکہ پاکستان کی سرحد کے ساتھ ایران کا وافر اور نسبتاً سستا تیل دستیاب ہے۔ اس تناظر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکی دباؤ کے جعلی سراب کے علاوہ کون سی چیز پاکستان کو اپنی توانائی کی ضروریات نسبتاً سستے ایرانی تیل سے پوری کرنے سے روک رہی ہے، خصوصاً جبکہ ایران کو اپنی اضافی پیداوار ذخیرہ کرنے کی صلاحیت کے مسائل کا بھی سامنا ہے۔ اس نئے بجٹ میں صرف پٹرولیم ڈیولپمنٹ لیوی (PDL) کی مد میں 1700 ارب روپے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے، جبکہ دیگر ٹیکس اور توانائی کی سپلائی چین سے وابستہ کمپنیوں کا منافع اس کے علاوہ ہے۔ توانائی کی اس قدر بلند قیمتوں نے نہ صرف عوام پر بے تحاشا مالی بوجھ ڈال دیا ہے بلکہ پاکستان کی صنعت کو بھی عالمی منڈی میں غیر مسابقتی (Uncompetitive) بنا دیا ہے۔ اسلام کی رو سے نہ صرف یہ تمام ٹیکس حرام ہیں بلکہ توانائی کا شعبہ ملکیتِ عامہ کے زمرے میں آتا ہے، اور اس کی سپلائی چین نجی شعبے کے قبضے میں نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس شعبے میں موجود غیر معمولی منافع بھی عوام کی ملکیت شمار ہو گا اور اسے چند کمپنیوں کے لیے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ، وَثَمَنُهُ حَرَامٌ**» **"مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ، اور ان کی قیمت لینا حرام ہے۔"** (ابن ماجہ)

اس حدیث میں "آگ" توانائی کے عمومی مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔

مزید برآں، ایران اور امریکہ کے درمیان حالیہ کشیدگی سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ امریکہ، ایران جیسے ملک کو بھی اپنے کنٹرول میں رکھنے سے عاجز ہے۔ لہٰذا اگر پاکستان اپنی افواج کے ساتھ، جو پہلے ہی عرب دنیا میں موجود ہیں، ایک خلافت کے تحت مسلم ممالک کے ساتھ ضم ہو جائے تو توانائی کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں خلافت عالمی توانائی کی قیمتوں کو براہِ راست طے کرنے کی پوزیشن میں آ جائے گی، خصوصاً جبکہ دنیا کے اہم بحری راستے مسلمانوں کے علاقوں سے گزرتے ہیں۔ یہ مقصد پاکستان میں خلافت کے قیام کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

یہ تمام دلائل اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ موجودہ حکمران طبقہ امریکی پالیسیوں کے دائرے سے باہر سوچنے سے قاصر ہیں۔ پاکستان کی معیشت کو محض چند اصلاحات کی ضرورت نہیں بلکہ اس پورے لبرل کیپیٹلسٹ ماڈل اور واشنگٹن اتفاق رائے پر مبنی آئی ایم ایف کے ایجنڈے کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نظام کا متبادل پاکستان میں خلافت کا قیام ہے، جس کے لیے حزب التحریر قرآن و سنت سے اخذ کردہ اپنا تفصیلی پروگرام پہلے ہی امت کے سامنے پیش کر چکی ہے۔ آج تو صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان کے ماہرینِ معیشت، پالیسی ساز، حکمران اور اشرافیہ عوام کو کسی نئی امید کا دلاسا دینے سے بھی قاصر ہیں۔ موجودہ نظام مکمل طور پر بے نقاب ہو چکا ہے اور اس کا انجام، جلد یا بدیر، زمین بوس ہونا ہی ہے۔ جتنا جلد یہ مرحلہ آئے گا، اتنا ہی جلد عوام کی مشکلات کے خاتمے کی امید پیدا ہو گی۔ 'گیم از اوور' نوشتۂ دیوار بن چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کے اہلِ قوت اسے دیکھنے اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ **"اور اگر وہ تورات اور انجیل کو، اور اس (قرآن) کو قائم کرتے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، تو ان پر اوپر سے بھی رزق برستا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی۔"** (سورۃ المائدۃ: 66)

فہرست

سوال کا جواب: اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران روس پر یوکرین کے حملے

سوال: الجزیرہ نیٹ نے 10/6/2026 کو رپورٹ کیا: (یوکرینی صدر زیلنسکی نے بدھ کے روز اعلان کیا کہ ان کے ملک نے گزشتہ رات ماسکو سے سینکڑوں کلومیٹر مشرق میں واقع ایک روسی فوجی تنصیب کو یوکرین کے بنے ہوئے میزائلوں سے نشانہ بنایا، اس دعوے کو روس نے بھی تسلیم کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ اس نے ملک کے مختلف حصوں میں سینکڑوں یوکرینی ڈرونز کو فضا ہی میں ناکارہ بنا دیا ہے...)

۔ سی این این عربی نے 6/6/2026 کو رپورٹ کیا تھا: (یوکرین نے ہفتے کی صبح سویرے سینٹ پیٹرزبرگ پر ڈرونز کے ذریعے بڑے پیمانے پر حملہ کیا، یہ حملہ شہر میں روسی صدر ولادیمیر پیوٹن کی میزبانی میں منعقد ہونے والے بڑے اقتصادی فورم کے اجلاس کے آخری دن کیا گیا۔ روس کے دوسرے بڑے شہر کو "بڑے پیمانے پر فوجی ڈرونز کے حملے" کا نشانہ بنایا گیا)۔ یوکرین کا یہ حملہ روس کی جانب سے اسی شہر میں منعقدہ بڑے اقتصادی فورم کے آخری دن ہوا، جو ڈیوس فورم کے مشابہ ہے۔ روس کے اندر گہرائی تک پہنچنے والے یوکرین کے ان اہم حملوں کے کیا اثرات ہیں، جو اس کے دوسرے اہم ترین شہر سینٹ پیٹرزبرگ میں کانفرنسوں کے دوران بھی جاری رہے؟ کیا یہ روس کی ایک نئی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے، یعنی ایک ایسی عالمی طاقت جو بڑی طاقتوں میں شمار ہوتی تھی، اب ایک درمیانے درجے کی طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والے ملک میں تبدیل ہو رہی ہے؟۔

جواب:

مندرجہ بالا سوالات کے جواب کے لیے، ہم درج ذیل امور کا جائزہ لیں گے:

1- اس حملے کے حوالے سے... الجزیرہ نیٹ نے 10/6/2026 کو جو کچھ شائع کیا اور سی این این عربی نے 6/6/2026 کو جو رپورٹ دی، وہ اس حقیقت کی واضح عکاسی ہے جس میں روس آج خود کو پاتا ہے، بالخصوص روس کے دوسرے اہم ترین شہر میں اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران اس پر ہونے والے یوکرینی حملے!

مزید برآں، یہ حملہ نہ صرف فورم کے اختتام پر ہوا بلکہ اس کے آغاز میں بھی دیکھنے میں آیا! [یوکرینی افواج نے شہر میں منعقدہ بین الاقوامی اقتصادی فورم کے آخری دن سینٹ پیٹرزبرگ پر گولہ باری کی... روسی بین الاقوامی اقتصادی فورم کے پہلے دن، بدھ کو، ایک

آئل ریفائنری پر حملے کے بعد قدیم شہر کے اوپر آسمان میں دھوئیں کے بادل بلند ہوئے۔ تقریب میں پہنچنے والے مہمانوں کا استقبال پس منظر میں سیاہ دھوئیں کے ایک ستون نے کیا... مڈل ایسٹ، 2026/6/6]۔

2- اس قسم کا بڑے پیمانے پر اور طاقتور حملہ، جو نہ صرف یوکرین کے ساتھ ملحقہ سرحدوں بلکہ روس کی گہرائی میں واقع کلیدی تنصیبات اور شہروں کو نشانہ بناتا ہے، اور وہ بھی روس کے ایک بڑے ایونٹ — سینٹ پیٹرزبرگ بین الاقوامی اقتصادی فورم — کے موقع پر جس میں صدر پیوٹن بذاتِ خود شریک ہیں، روس کے لیے ایک سنگین چیلنج کی نمائندگی کرتا ہے۔ یوکرین نے جنگ کے آغاز میں روس کے ساتھ اپنی سرحدوں سے باہر کسی بھی قسم کے حملے کرنے سے گریز کیا تھا۔ پھر اس نے سرحد پار حملے شروع کیے اور بتدریج اپنے حملوں میں تیزی لائی، یہاں تک کہ وہ خود کریملن تک جا پہنچا اور سائبیریا کی گہرائی میں واقع فضائی اڈوں کو نشانہ بنایا، جس سے روس کے اسٹریٹجک طیارے تباہ ہوئے، جن میں "وائٹ سوان" بمبار طیارے بھی شامل ہیں جو روس کی جوہری تثلیث (nuclear triad) کا حصہ ہیں۔ قریب اور دور کے روسی شہروں پر اس کے حملے نہیں رکے۔ اب وہ دارالحکومت ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ پر حملے کر رہا ہے، جو روس کے لیے بے پناہ اہمیت کا حامل شہر ہے اور زار کے دور کے خاتمے اور اشتراکی دور کے آغاز میں دارالحکومت رہا ہے۔ یہ حملہ روس کے لیے ایک انتہائی اہم بین الاقوامی ایونٹ کے دوران ہوا، ایک ایسا فورم جسے ڈیوس فورم کی طرز پر بنایا گیا ہے، جس کا مقصد بین الاقوامی سطح پر بالخصوص معاشی میدان میں روس کی اہمیت کو اجاگر کرنا تھا۔ روس کے لیے یہ بین الاقوامی اقتصادی تقریب اس کی عظمت کے احساس کی علامت ہے۔ چنانچہ، فورم کے آغاز پر یوکرین کا پہلا حملہ، اس کے اختتام پر دوسرا، اور اس کے بعد ہونے والے حملے، سب روسی عظمت کے اس احساس کو چکنا چور کرنے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے یوکرین کے پیچھے امریکہ یا یورپ جیسی کوئی طاقتور قوت کھڑی ہے جو روس کو یہ بتانا چاہتی ہے کہ وہ معاشی طور پر ایک غیر اہم قوم ہے اور اس شہر کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے جو آپ میں عظمت کے ایسے جذبات پیدا کرتا ہے۔

3- یہ درست ہے کہ روس یوکرین پر حملے کر رہا ہے، (روس نے اتوار کے روز، چار سال سے جاری جنگ کے آغاز سے اب تک کے شدید ترین حملوں میں سے ایک میں کیف اور گردونواح پر سینکڑوں ڈرونز اور میزائلوں کی بوچھاڑ کی، اور دارالحکومت کے قریب ایک 'اوریشنک' (Oreshnik) ہائپرسونک میزائل داغا۔ رائٹرز، 2026/5/24)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں، اور حالیہ یوکرینی حملہ بھی انہی جوابی کارروائیوں میں سے ایک ہے۔ تاہم، ان جوابی حملوں کی حقیقت یہ ظاہر کرتی

ہے کہ روس اس بڑی طاقت کے مقام سے گر چکا ہے جس سے یوکرین جیسے ممالک ڈرتے تھے! روس اپنے گرد رعب و دبدبے کے ایک ایسے ہالے میں گھرا رہتا تھا جو یوکرین کو اس پر حملہ کرنے سے روکتا تھا۔ در حقیقت، جنگ کے آغاز میں، یوکرین نے روس کے شدید ردعمل کے خوف سے کریمیا پر حملے سے گریز کیا تھا جسے روس نے 2014 میں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

4- پھر روس کا یہ وقار جنگ کے مہینوں کے دوران بتدریج ختم ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ مکمل طور پر مٹ گیا، جس نے روس کی گہرائیوں، اس کی مقدس ترین علامتوں، اس کے پر تعیش شہروں اور انتہائی حساس اوقات میں یوکرینی حملوں کی راہ ہموار کی۔ ان دونوں حملوں کے دوران، اس سے پہلے اور بعد کے روسی بیانات اور موقف کا گہرا جائزہ روس کی شدید کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ روس بلاشبہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یوکرین امریکی حمایت سے اس پر حملے کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ امریکہ کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پیوٹن کے بیانات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

الف-(گزشتہ روز، صدر ولادیمیر پیوٹن نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور یوکرین میں تصفیے کو آگے بڑھانے کے لیے ان کی کوششوں کے لیے اپنے احترام کا اظہار کیا، اور ولودیمیر زیلنسکی کے ساتھ ان کے نمٹنے کے انداز کی تعریف کی۔ تصفیے کی کوششوں کے حوالے سے، روسی صدارتی معاون یوری اوشاکوف نے حال ہی میں اعلان کیا کہ وہ اپنے امریکی ہم منصب اسٹیون وٹکوف اور ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر کے ساتھ رابطے میں ہیں، اور ان کے دورہ روس کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔(RT، 6/6/2026)۔

ب-(پیوٹن نے وضاحت کی کہ روس "یوکرین کے ساتھ پرامن ذرائع سے، خاص طور پر ان امور کی بنیاد پر جن پر ہم نے اینکریج میں صدر ٹرمپ کے ساتھ ملاقات میں تبادلہ خیال کیا تھا، ایک معاہدے تک پہنچنے کے لیے تیار اور مائل ہے۔" روسی صدر نے کہا کہ اینکریج میں مذاکرات کے دوران، روس کے سامنے ملک کی جانب سے کچھ مراعات دینے کے امکان سے متعلق مسائل پیش کیے گئے تھے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ "جہاں تک تصفیے کے ان حلوں کا تعلق ہے جن پر ہم نے اینکریج میں بات کی تھی، روس ان سے اتفاق کرتا ہے۔" پیوٹن نے مزید کہا، "یہ ضروری ہے کہ یوکرینی فریق بھی ان تصفیہ طلب حلوں پر اتفاق کرے۔ تب یہ تنازع جلد ہی اپنے قدرتی انجام کو پہنچ جائے گا۔"(RT، 4/6/2026)۔

5- یہ سب کچھ عسکری، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں روس کے زوال اور کمزوری کی حد کو ظاہر کرتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف- جہاں تک عسکری پہلو کا تعلق ہے، 2022 میں یوکرین کی جنگ شروع ہونے کے بعد سے، روس یوکرین کی کامیاب فوجی کارروائیوں میں اپنے درجنوں اعلیٰ سطح کے جنرلز سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ روسی فوج نے شدید نقصانات اٹھائے ہیں، جس کا ثبوت باخموت شہر کے گرد ہونے والی کٹھن لڑائیاں ہیں، اور اس سے پہلے ماریوپول کی جنگ، جہاں یوکرینی جنگجوؤں نے ایک طویل عرصے تک اسٹیل پلانٹ میں خود کو مورچہ بند کیے رکھا۔ اس سے پہلے کیف پر روس کے حملے کی عبرت ناک ناکامی، روسی فوج کو پہنچنے والی سبکی، یوکرین کی گہرائی سے اس کی واپسی، اور پھر مشرق پر توجہ مرکوز کرنے کا اس کا فیصلہ ،اس کمزوری کے واضح ثبوت ہیں۔ روس نے اپنے بحرِ اسود کے بیڑے (Black Sea Fleet) کے 40 فیصد جہاز بھی کھو دیے، اور یوکرینی سرحد سے ہزاروں کلومیٹر دور شہروں میں اس کے متعدد اسٹریٹجک 'وائٹ سوان' (White Swan) طیارے تباہ کر دیے گئے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے نقصانات ہوئے۔

ان پسپائیوں، نقصانات اور فیصلہ کن فتح حاصل کرنے میں ناکامی نے عالمی منظرنامے پر ایک نئی حقیقت کو ثابت کر دیا ہے: روسی فوج کسی سپر پاور کی ترجمانی نہیں کرتی۔ وہ یوکرین میں جیت نہیں سکتی، اور امریکی صدر ٹرمپ نے اس پر اس وقت چوٹ لگائی جب انہوں نے کہا کہ جس جنگ کو دو ہفتوں میں حل ہو جانا چاہیے تھا، وہ بغیر کسی فتح کے چار سال سے جاری ہے۔ اس طرح، یوکرینی جنگ نے ایک ایسی حقیقت کو آشکار کر دیا ہے جو اس جنگ سے پہلے عیاں نہیں تھی: روسی فوج کی کمزوری، یا کم از کم یہ کہ اس کی طاقت کسی سپر پاور کے شایانِ شان نہیں ہے، بلکہ یہ بھارت یا پاکستان کی فوج جیسی ایک درمیانے درجے کی فوجی طاقت کے زیادہ قریب ہے۔ تاہم، روس اب بھی ایک بڑی ایٹمی طاقت ہے، اور اس ایٹمی طاقت کا ابھی تک کسی حقیقی فوجی معرکے میں امتحان نہیں ہوا ہے۔ یوکرینی صدر زیلنسکی نے جنگ کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ روسی ایٹمی قوت بڑے تکنیکی مسائل کا شکار ہے، جو روسی ایٹمی طاقت کی اصل حقیقت کے بارے میں شدید شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے، حالانکہ یہ روس کی بین الاقوامی عظمت کا آخری ستون ہے۔

ب- جہاں تک معاشی پہلو کا تعلق ہے، تو کوئی بھی ملک اس وقت تک سپر پاور نہیں بن سکتا جب تک وہ معاشی طور پر کمزور ہو، اور آج کے روس کی یہی صورتحال ہے۔ اپنے وسیع و عریض رقبے اور وافر مقدار میں دستیاب زرعی وسائل، تیل، خام مال اور نایاب معدنیات کے باوجود، اس کی کل معاشی پیداوار زیادہ سے زیادہ صرف 2.5 ٹریلین ڈالر ہے، جو بین الاقوامی سطح پر آٹھویں اور دسویں درجے کے درمیان اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے۔ یہ چین اور امریکہ سے بہت پیچھے ہے جن کی معاشی پیداوار بالترتیب 20 اور 30 ٹریلین ڈالر کے

قریب ہے، جبکہ جرمنی، جاپان، بھارت، برطانیہ اور فرانس جیسے بہت سے دوسرے ممالک معاشی لحاظ سے اس سے آگے ہیں، اور بعض سالوں میں تو اٹلی اور کینیڈا بھی اس سے آگے نکل جاتے ہیں۔

روسی معیشت کا تقریباً تمام تر انحصار توانائی کے وسائل اور خام مال کی برآمدات پر ہے۔ ہتھیاروں کے سوا، دنیا شاید ہی کسی ایسی مخصوص تجارتی شے کے بارے میں جانتی ہو جس کی وجہ سے روس مشہور ہو۔ جب یوکرین جنگ کی وجہ سے یورپی مالیاتی شہ رگ کٹ گئی، روسی تیل و گیس پر پابندیاں عائد کر دی گئیں اور 'نورڈ اسٹریم' پائپ لائنوں کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا، تو روسی معیشت ایک کٹھن صورتحال سے دوچار ہو گئی۔ اس نے چین کی طرف رخ کر کے اس بحران سے نکلنے کی کوشش شروع کی، لیکن امریکی پابندیوں اور چین کے ان پابندیوں سے متاثر ہونے کے خوف نے روس کو مجبور کر دیا کہ وہ چین، بھارت اور دیگر خریداروں کو راغب کرنے کے لیے اپنا تیل کم قیمت پر فروخت کرے۔ چار سالہ جنگ کے بعد، روسی دانشوروں کی بڑی تعداد میں بیرون ملک ہجرت، اور یوکرینی محاذ پر رسد کی فراہمی کے لیے معیشت کا عسکری صنعت پر انحصار، روس کی معاشی حالت کو مزید دشوار بنا رہا ہے۔

ج- سیاسی نقطہ نظر سے: 2022 میں یوکرین کی جنگ نے روس پر شدید سیاسی تنہائی مسلط کر دی، جس نے اس کے اور بہت سے ممالک بالخصوص مغربی ممالک کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی اور اس کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا۔ روس نے اپنے بہت سے بین الاقوامی تعلقات کھو دیے۔ جب امریکہ اور یہودی وجود (اسرائیل) نے ایران پر جنگ مسلط کی، تو روس نے ایران کو کوئی قابل قدر چیز پیش نہیں کی۔ شاید سب سے اہم تعاون جو اس نے فراہم کیا، وہ سپریم لیڈر علی خامنہ ای کے انتقال پر تعزیت کا عوامی اظہار تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ایران نے یوکرین جنگ کے دوران روس کو 'شاہد' ڈرونز فراہم کیے تھے، روس امریکہ اور اسرائیل کے بڑے حملوں کے خلاف ایران کی استقامت کو مضبوط بنانے کے لیے کچھ بھی کرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ سیاسی طور پر، اگر ایران امریکی مدار سے نکل کر آزادی کی راہ اختیار کرنا چاہے، تو روسی پالیسی کی کمزوری کی وجہ سے اس کا الحاق روس کے ساتھ نہیں ہو گا۔ اگر روس کے پاس ایک عظیم طاقت کے شایانِ شان سیاسی بصیرت ہوتی، تو وہ پہل کرتا اور امریکہ کی جانب سے یوکرین کو روسی بحر اسود کے بیڑے کے جہاز ڈبونے میں مدد دینے کے جواب میں، امریکی جہازوں کو ڈبونے میں ایران کی مدد کرتا، جس سے وہ ایران کے اندر کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیتا۔ لیکن اس کی ناکامی اس کی پالیسی کی کمزوری کی تصدیق کرتی ہے اور یہ کہ اس کی پالیسی محض درمیانے درجے کی طاقتوں کی سطح کی ہے، جو کسی ایسے ملک کے شایانِ شان نہیں جس نے اپنی بین الاقوامی حیثیت بہتر بنانے کے لیے یوکرین میں جنگ چھیڑی ہو!

6-خلاصہ یہ ہے کہ روسی عظمت کے محرکات بکھرنا شروع ہو گئے ہیں، اور درحقیقت ان کا زوال شروع ہو چکا ہے۔

بالعموم مغربی ممالک اور بالخصوص امریکہ کے ایماء پر کیے گئے یوکرینی حملے روس کے لیے ایک نازک وقت پر ہوئے، جو سینٹ پیٹرزبرگ بین الاقوامی اقتصادی فورم کے وقت کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔ ان حملوں سے پہلے روسی فوج کی کمزوری اور اس کے ان جنگی بحری جہازوں کے ڈوبنے کے واقعات پیش آئے جو روسی عوام کے لیے باعثِ فخر ہیں، جیسے کہ بحر اسود کے بیڑے کا فلیگ شپ، بڑا کروزر "ماسکووا"۔ متعدد "وائٹ سوان" طیاروں کے مار گرائے جانے نے روس کی فضائی طاقت کے ایک ستون کو پاش پاش کر دیا ہے۔ بین الاقوامی فورم کی میزبانی کرنے والے شہر پر حالیہ حملہ روسیوں کے لیے ایک واضح یاد دہانی ہے کہ ان کی عظمت کا احساس ان کی معاشی کمزوری کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ درحقیقت، روس ایک ایسی بین الاقوامی تقریب کی میزبانی کر رہا ہے جس کا وہ تحفظ کرنے سے بھی قاصر ہے۔ مزید برآں، بیلاروس کے ساتھ تعلقات کے استثناء کے ساتھ، اس کے بین الاقوامی تعلقات بگڑ رہے ہیں اور لڑکھڑا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ روس کی چین تک رسائی اور نام نہاد روسی-چینی اتحاد بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ چین اپنے تزویراتی (اسٹریٹجک) معاہدے اور برکس (BRICS)، شنگھائی تعاون تنظیم اور دیگر اداروں میں اتحاد کے باوجود بحران کے وقت روس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ یہ اتحاد بڑی حد تک علامتی ثابت ہوئے ہیں اور زوال و عدم استحکام کے بعد (روسی عظمت کی بحالی) کے لیے کسی حقیقی جوہر سے عاری رہے ہیں۔

آخر میں، اگرچہ کمزوری اور عدم استحکام میں روس مغربی ممالک اور خاص طور پر امریکہ سے بازی لے گیا ہو، لیکن تمام کافر استعماری طاقتیں اپنی اپنی ناکامیوں کا بوجھ خود اٹھائے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ، خلافتِ راشدہ کے قیام کے ساتھ ہی یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، جو اسلامی ریاست، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت، کی طاقت کے سامنے شاہانِ فارس اور قیصرِ روم کے زوال کی تاریخ کو ایک بار پھر زندہ کر دے گی۔ یہ قومیں، اگرچہ خلافت کے خاتمے کے بعد دوبارہ سنبھل گئی ہوں گی، لیکن 'القوی العزیز' کی جانب سے وعدہ کردہ خلافت کے قیام کے ساتھ ہی ان کا زوال ناگزیر ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اپنا جانشین (خلیفہ) بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا۔" (سورۃ النور: 55)

اور اللہ کے سچے اور امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خوشخبری دی ہے کہ یہ خلافت اس جابرانہ دور کے بعد دوبارہ لوٹے گی جس میں ہم جی رہے ہیں: امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ»** "**...پھر جابرانہ بادشاہت ہوگی، اور وہ اللہ کے حکم سے جب تک اللہ چاہے گا رہے گی، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کردے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہوگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔**" اور یہ ہو کر رہے گا، انشاء اللہ۔

﴿**وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ**﴾ "اللہ اپنے معاملے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (سورۃ یوسف: 21)

26 ذوالحجہ 1447ھ

12 جون 2026ء

فہرست

عوام کو کچل کر "ہارڈ اسٹیٹ" اپروچ سے اپنی دھونس جمانا زوال زدہ نظام کی نشاندہی کرتا ہے۔ صرف خلافت امت کی حقیقی نمائندگی کو یقینی بناتی ہے

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

پچھلے چند دنوں سے آزاد کشمیر میں عوامی احتجاج اور حکمرانوں کا اس کو "ہارڈ اسٹیٹ" کے انداز میں کچلنے کی کوششوں نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے، کہ موجودہ نظام غیر فطری ہے اور یہ عوام کی نمائندگی نہیں کرتا۔ یہ حکمران عوام کے نگہبان نہیں بلکہ استعمار کے ایجنٹ ہیں۔ اور یہ اس امر کا بھی اظہار ہے کہ منیر-شہباز حکومت سیاسی شعور سے عاری اور لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے بنیادی فہم سے بے بہرہ ہے، اس لئے یہ ہر مسئلے کو بندوق کی گولی سے حل کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام میں قانون ساز اسمبلیوں کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام میں قوانین اللہ کے نازل کردہ وحی سے مجتہدین اخذ کرتے ہیں، اور مسلمانوں کا خلیفہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ تاہم اسلام میں مجلسِ امت اور مجلسِ ولایہ کے مضبوط ادارے موجود ہیں۔ مجلسِ امت مجموعی طور پر جبکہ مجلس ولایہ، صوبے کی سطح پر رائے میں امت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ ادارے لوگوں کی شہری سہولتوں، ترقیاتی معاملات، سڑکوں، سکولوں، ہسپتالوں، روزگار اور اسی نوعیت کی دیگر ضروریات کے معاملے میں امت کی آواز بنتے ہیں، اور لوگوں کی ان ضروریات کی حقیقت جاننے کے لیے گہری فکر اور تکنیکی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے ان امور میں عوام کی رائے کا پاس رکھنا امت کا حق بھی ہے، اور یہ ایک نظام کو سیاسی استحکام بھی بخشتا ہے۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ امت کی رائے کی درست نمائندگی ہو، تاکہ یہ امور ان کی مرضی کے مطابق طے ہو سکیں۔ اس رُو سے آزاد کشمیر ہو یا گلگت بلتستان، بلوچستان ہو یا مرکزی حکومت، اور یہ معاملہ حلقہ بندیوں کا ہو، سیٹوں کی تقسیم کا، یا دیگر پری پول، پولنگ ڈے یا پوسٹ پول دھاندلیوں کا، درجنوں مباح امور میں امت کی نمائندگی کو ہائی جیک کر کے اپنے من پسند لوگوں کو جبری "عوامی" نمائندے بنانا امت کے حقوق پر ڈاکہ ہے۔ جمہوری نظام میں موجود الیکشنز، اس کی عملی تصویر بن چکے ہیں۔ یہ الیکشن عوام کی نمائندگی نہیں، بلکہ طاقتور طبقات کی آپس کی محاذ آرائی، ملی بھگت اور گٹھ جوڑ کا اظہار ہوتے ہیں۔

یہ حکمران عوام کے حقوق پر مختلف طریقوں سے ڈاکہ ڈال رہے ہیں، خواہ یہ ان کی نمائندگی کے حق کو کچلنا ہو، یا اسلام کے نظام کے نفاذ کے راستے میں ایک آہنی دیوار بننا، ہمارے نبی ﷺ کی حرمت کے تحفظ کیلئے اقدامات اٹھانے سے انکار ہو، غزہ کے مسلمانوں کو بے یارو مددگار چھوڑنا ہو، یا امریکی 'دہشت گردی' کی جنگ کا ہراول دستہ بننا، یہ ان حکمرانوں کا مسلسل طرزِ عمل ہے۔ اور جوں جوں عوام کے سامنے حکمران بے نقاب ہو رہے ہیں، یہ حکمران "ہارڈ اسٹیٹ" پالیسی پر اتر آئے ہیں، جو ان کے فکری دیوالیہ پن، نظریاتی شکست

اور فرعونیت کا اظہار ہے۔ بلوچستان، فاٹا، خیبر پختونخوا، آزاد کشمیر، پنجاب، ہر جانب حکمرانوں کی قومی پالیسی کی ناکامی عیاں ہے۔ یہ ہارڈ اسٹیٹ اپروچ غیر ملکی ایجنسیوں اور سفارت خانوں کو عوامی تحریکوں کو اپنے مقاصد کیلئے موڑنے کا بھی موقع فراہم کرتی ہے۔ عوام کو کچل کر قبرستان کی خاموشی کو امن قرار دینے والے یہ حکمران قذافی، صدام، حسن مبارک اور بشار کے انجام کو یاد رکھ لیں، جنہوں نے "پولیس اسٹیٹ" کے ذریعے عوام کو کچلنے کی کوشش کی۔ امارات، اردن، سعودی، بحرینی اور کویتی حکمرانوں کا انجام بھی اب زیادہ دور نہیں۔ہارڈ اسٹیٹ پالیسی کو کبھی دوام حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایک ریاست کے غیر فطری ہونے کی علامت ہے، جو عوام کی رائے کی مخالفت میں جبراً ان پر حکومت کرتی ہے۔

خلافت ہی وہ واحد ریاست ہے جو امت کی حقیقی نمائندگی کرتی ہے۔ ریاستِ خلافت امت کے عقیدے پر قائم ہوتی ہے اور اس کی علمبردار ہوتی ہے۔ خلیفہ امت کی اکثریت کی بیعت سے حکمران بنتا ہے۔ جمہوریت کے برعکس، مجلسِ امت اور مجلسِ ولایہ کے پاس قانون سازی کی طاقت نہ ہونے کے باعث ایلیٹ طبقے کے پاس، قانون سازی کے ذریعے کرپشن کو قانونی بنانے کا راستہ بند ہو جاتا ہے، اس لئے ان کے پاس ہر صورت اسمبلیوں تک پہنچنے کا incentive بڑی حد تک ختم ہو جاتا ہے، نہ ہی انھیں الیکشن میں کروڑوں، اربوں کی "investment" کرنے پر ریٹرن ملتا ہے، اس لئے حقیقی نمائندگی کو فروغ ملتا ہے، اور ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جو عوام کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں۔ خلیفہ اسلامی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور شریعت کے نفاذ اور عوام کے مسائل کے حل کے لیے عوامی رائے سے مدد لیتا ہے۔ اسلام نے پولیس اسٹیٹ کے انداز میں حکمرانی کو حرام قرار دیا ہے۔ خلافت ایک نگہبان ریاست ہوتی ہے، جو امت کے امور کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اسلام میں سیاست کا مفہوم ہی لوگوں کے امور کی اسلام کے احکامات کے ذریعے دیکھ بھال ہے۔ اس لئے امت کے تمام مسائل کا حقیقی حل صرف اور صرف خلافت کے قیام میں ہی ہے۔ اور اسی کی جانب ہمیں جدوجہد کرنی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ **"اور عنقریب وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جان لیں گے کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ کر جاتے ہیں۔"** (سورۃ الشعرا: 227)

فہرست

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)۔